

اقراصفیر احمد

ناولٹ

سبز رُفت
پھولوں کی
اسی

دل میں ہر لمحہ ہے صرف ایک خیال
مجھ سے کس درجے محبت ہے مجھے
مجھ پہ اب فاش ہوا رازِ حیات
زیست اب سے تیری چاہت ہے مجھے

sameenanaazeer

FriendsKorner



ماحول میں از حد لطیف خنکی رچی ہوئی تھی۔
پرنور روشنی ہر سمت پھیلی ہوئی تھی بہت روح پرور پر
کیف سحر انگیز فضا تھی۔ اس نے گہری سانس لے کر تازہ
ہوا کو چند لمحے اندر سونگھا تھا۔ اس سے بھیگا سبزہ خوب
صورت پھولوں کی پنکھڑیوں پر چمکتے شبنم کے قطرے
موتیوں کی مانند لگ رہے تھے۔ درختوں پر بیٹھیں چڑیاں
رب کی حمد و ثناء میں مصروف تھیں اور ان کی میٹھی خوب
صورت چبکاروں سے سانس گونج رہا تھا۔ اس نے سلیپر
سے پاؤں آزاد کیے اور گھاس پر ننگے پاؤں چلنے لگی۔ نرم
نرم نرم آلود گھاس نے ایک سر و لطیف سی لہر پورے وجود
میں دوڑا دی بہت فرحت بخش احساسِ رگ و پے میں
سکون بن کر اتر آ تھا۔ دل و دماغ پر چھائی افسردگی کی گرد
جھڑنے لگی تھی۔
احد کے ناقابل فہم رویے و ناروا سلوک کی تلخی کا اثر
کچھ کچھ زائل ہونے لگا تھا۔ وہ پہلے ایسا نہ تھا۔ نہ معلوم
اب ایسا کیوں ہو گیا تھا۔ بیزار کن سوچیں پھر حملہ آور
ہونے لگیں تو اس نے ذہن کو بالکل ہی خالی چھوڑ دینے کا
فیصلہ کیا اور گہرے گہرے سانس کے ذریعے ماحول کی
تازگی اپنے اندر بھرنے لگی۔
”صبح بخیر مسکان بیٹا۔“ اسی دم سرمئی ٹریک سوٹ
میں واک سے واپس آئے ہوئے اظہر چچا کی نگاہ اس پر
پڑی تو وہ مسکراتے ہوئے وہیں چلے آئے۔
”السلام علیکم انکل صبح بخیر۔“ اس نے مسکراتے ہوئے
آگے بڑھ کر سلام کیا تو انہوں نے جواب دیتے ہوئے
شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔
”احسن سے ملاقات ہوئی؟“
”احسن..... کب آیا وہ؟“ اس کے چہرے پر خوشگوار
حیرت پھیل گئی۔
”رات پہنچا ہے موسم کی خرابی کے باعث فلائٹ
بہت لیٹ تھی۔“
”اچھی طرح خبر لیتی ہوں اس کی فاریسٹ آفسر کیا
بن گیا خود کو پاکستان کا کنگ سمجھنے لگا ہے کسی سے ملنے کا

یائتم بھی نہیں ہے۔ ابھی جا کر پوچھتی ہوں۔“ مسرت و غصے کا استرجاع اس کے چہرے کو دلکش بنا رہا تھا۔ اظہیر صاحب خوشدلی سے مسکرا کر گویا ہوئے۔

”ہاں ہاں ضرور خبر لو اس نالائق کی اتنا اچھا موقع ضائع کر کے اب آیا ہے۔“ وہ تو پہلے ہی اس کی اچانک آمد کا سن کر بے قرار ہو رہی تھی۔ انگل کی بات پر تیزی سے ان کے پورشن کی طرف بڑھی تھی۔ آنٹی انگل کے لیے جوں بٹار ہی تھیں۔ احمد ایک سرساز سے فارغ ہوا تھا۔

اس کا بہت پسند کڑی مشقت کی داستان سنا رہا تھا۔ آنٹی نے مسکرا کر اس کے سلام کا جواب دیا تھا۔ ساتھ ہی جوں نے کی آفر بھی کی وہ صبح بیڈی کی عادی تھی سوانکار کرتی ہوتی آگے بڑھی۔

”آئی آپ کے مجرم آگے ہیں چاہیں تو میں بھی آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔ مجھے دلی مسرت ہوتی ہے ایسے کار خیر میں حصہ لیتے ہوئے۔“ احمد شرارت سے مسکراتا ہوا شوخی سے بولا۔

”تو بھٹکس میں خود ہی کافی ہوں۔ بڑا دم ہے میرے ہاتھوں میں۔“ وہ کہتی ہوئی اور تیزی سے سیر حیاں چڑھنے لگی۔ احمد کا زور دار قبضہ گونج اٹھا۔

کمرے کی فضا گرم تھی۔ وہ مزے سے نرم گرم کبل میں بے خبر سو رہا تھا۔ وہ دبے پاؤں اٹیچڈ ہاتھ کی طرف بڑھی تھی۔ وہاں سے جگ بھر کر پانی لانے میں اسے چند سیکنڈ لگے پھر مکان نے پھرانی سے اس کا کبل ایک ہاتھ سے پھینچ کر دوسرے ہاتھ میں پکڑا جگ اس پر انڈیل دیا تھا۔ احسن جو بے خبر سو رہا تھا اس اچانک افتاد پر ہڑبڑا کر اٹھا تھا۔ ٹھنڈا ٹھنڈا پانی ایسا ہی لگا تھا جیسے تیزاب۔

”اف یہ کیا بے ہودگی ہے؟“ وہ جی جان سے کانپ اٹھا تھا۔

”اوہو..... یادداشت کے ساتھ ساتھ تمہاری آنکھیں بھی خراب ہو گئی ہیں۔ وہ ایک ہاتھ کمر پر رکھ کر بولی۔

”میری یادداشت خراب ہے نہ آنکھیں البتہ تمہارا دماغ ضرور خراب ہو گیا ہے۔“ وہ چھلانگ مار کر بیڈ سے

اتر اٹھا اور تیزی سے ہاتھ روم میں داخل ہوا تھا۔ چند لمحوں بعد وہاں سے برآمد ہوا تو نہ صرف ڈریس بدلا ہوا تھا بلکہ منہ ہاتھ دھو کر بال بھی سنوارے گئے تھے۔

”بیٹھو۔ بہت ساری باتیں کرنی ہیں تم سے۔“ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر صوفے پر قریب بٹھاتے ہوئے گویا ہوا۔

”نہیں کرنی مجھے تم سے کوئی بات تم بہت دھوکے باز فراڈی اور بے حس ہو۔“ اس نے اسے دو کئے جڑتے ہوئے منہ پھلا کر کہا۔

”واہ کیا کیا ہے میں نے؟“ احسن جو اس سے اسی ناراضگی کی توقع کر رہا تھا۔ جانتے بوجھے معصوم بن کر استفسار کرنے لگا۔

”جیسے اتنے معصوم ہی تو ہو بنو مت اچھا۔“

”بنا ہوا پہلے سے ہوں اب کیا ہوں گا بیسی۔“ جواباً اس نے اس کے بال منھی میں جکڑ کر پھوڑ دیے۔

”میری شادی میں کیوں نہیں آئے تھے؟ کتنا انتظار کیا تھا میں نے؟ آخری بل تک میں تمہاری راہ تک رہی تھی بولو کیوں نہیں آئے تھے؟“

”بس یار کچھ ایسے مسئلے آن پڑے تھے جن سے گلو خلاصی ہزار ہا کوشش کے باوجود نہ ہوئی اور تم جو مجھے اتنا غصہ دکھا رہی ہو تو یہ بتاؤ میرے نہ آنے سے کیا فرق پڑا؟

تمہاری شادی تو ہوئی نا بہت شوق چڑھا تھا تمہیں شادی کا مری جاری تھیں اس گھونچو سے شادی کرنے کو کون سا میرا تم نے انتظار کر لیا دم نکل رہا تھا تمہارا اس گدھے کی سبز بننے کے لیے تمہیں میری پرواہ بھی کہاں تھی؟ اب باتیں بنا رہی ہو۔“

”بکواس مت کرو پکے بدتمیز ہو۔“ مکان نے اس کے ایک ہاتھ جڑا تھا۔

واہ اتنا جلال وہ بھی اس الو کے لیے تھوڑے ہی دنوں میں اس قدر محبت کرنے لگی ہوا اس اونٹ سے۔“ اس کے انداز میں حیرانگی بھری ستائش تھی۔

”پھر وہی بکواس کی میں سر پھاڑ دوں گی تمہارا۔“

”اچھا اس طرح آنکھیں مت پھاڑو پوری سمجھیں

لگ رہی ہو یہ بتاؤ عزت مآب عالی مقام جناب از حد محترم جناب احمد وارثی صاحب خیریت ہیں؟ اس وقت وہ یقیناً سپنوں کی وادیوں کی سیر کر رہے ہوں گے اور آنکھ کھلتے ہی تمہاری موہنی صورت کے دیدار کے تمنائی ہوں گے تمہیں نہ پائیں گے تو کیا گزرے گی ان کے دل نادان پر تمہیں ذرا بھی خیال نہیں عاشق با مراد کا تفتی بے فکر بیوی ہو جاتی نہیں ہو محبت کے تقاضے چاہت کی بے قراریاں۔“

”بکواس مت کرو۔“ اس کے شوخ انداز پر وہ لجا کر رہ گئی۔

”میں بکواس کیوں کرنے لگا وہ دیوانہ ہے تمہارا اور تمہیں ایسے بچنوں شوہر کی ویو انگیوں کا خیال رکھنا چاہیے وہ اپنی بچوں کا آقا تمہارے چہرے سے ہی کرنا چاہتا ہو گا۔ آج کی صبح تمہیں دیکھے بنا ہو گئی تو سوچو اس مظلوم کا سارا دن کیسے گزرے گا۔ بیمار کرنے والوں کو ایسی چھوٹی چھوٹی معمولی معمولی باتوں کا بڑا دھیان رکھنا چاہیے۔ چلو جاؤ خیال رکھو اس کا اس طرح غفلت مت برتو۔“

”تمہیں داوی اماں بننے کی ضرورت نہیں ہے سمجھو۔ یہ بتاؤ تم آئے کیوں نہیں تھے۔ کتنا انتظار کیا تھا؟“ اسے معلوم تھا وہ اسی طرح اس سے رنج کر دینے والی باتیں کرے گا۔ یہ اس کا بہترین مشغلہ تھا اپنی فضول اول جلول باتوں سے سب کو تنگ کر دینا اس وقت بھی یہی ہوا تھا۔ وہ آنٹی تو اس کی خیر لینے تھی مگر درگت وہ بنا رہا تھا حسب معمول وہ چپ گئی تھی۔

”یار! میں نے تو پوری پوری تیاری کر لی تھی کہ اچانک میرے کو لیک سبج بٹ کو حادثہ پیش آ گیا۔ اس کی کارٹرالر سے ٹکرائی تھی۔ دماغ پر گہری چوٹ آئی تھی۔ جس کے باعث وہ ایک ہفتہ آئی سی یو میں رہا تھا۔ میرے علاوہ کسی اور سے اس کی دوتی نہ تھی۔ ایسی حالت میں میں کس طرح اسے چھوڑ کر آتا اس کی بے ہوشی کے دوران اس کے گھر والوں کو بھی میں اطلاع نہ دے سکا کہ اس کی رہائش گاہ کا ایڈریس مجھے معلوم نہ تھا۔ صرف یہ جانتا تھا

کہ رشید سے وہ تعلق رکھتا ہے اس کے ہوش میں آنے کے بعد اس کے گھر اطلاع دی۔ جب تک تمہاری شادی کو وقوع پذیر ہوئے دو ہفتے سے زائد عرصہ گزر چکا تھا۔ میں نے سوچا جب وہ اہم تقریب گزر گئی تو جانتا نہ جانا برابر ہے۔ سو اسے فرائض کی بجائے آوری کے بعد ہی اطمینان سے جاؤں مجھے یقین ہے تمہیں مجھ سے اب کوئی شکایت نہ ہوگی یا ابھی مزید کی وضاحت کی ضرورت ہے؟“

”مجھوری ہے یقین کرنا پڑے گا ورنہ تم جتنے بڑے چیخڑ ہو میں جانتی ہوں۔“

”اے..... اے زبان سنجال کر لڑکی! مابدولت تمہارا لحاظ کر رہے ہیں تو تم سر پر ہی چڑھی آرہی ہو۔ اگر میرے آنے کی اتنی آرزو تھی تو ملتوی کروالی ہوئی رکھتی کرتیں میرا انتظار لیکن نہ بھی آج کل صرف اور صرف زبانی ہمدردی جتانے کا شوق ہے۔ عملی ثبوت کوئی نہیں دیتا شکل دیکھ کر دوست یاد آ رہا ہے وفا داری کے تقاضے از پر کرائے جارہے ہیں۔ دیے مجھے شکسین کا گزرتو تمہارے خیالوں خواہوں میں بھی نہ ہوا ہوگا جیسی اتنے عرصے میں تمہیں ایک میل تک بھیجنا نصیب نہ ہوا۔ نہ فون کرنے کے لیے تمہارے ہاتھ اٹھے اس سے قبل تو تم چیٹنگ کر کے دماغ خراب کر دیا کرتی تھیں۔“ اس نے ایک دم ہی پینتر ابدلا تھا اور لڑاکا عورتوں کی طرح ہاتھ چلا کر منہ بنا بنا کر بول رہا تھا۔ اس کے انداز پر بے ساختہ ہنسی آرہی تھی۔

”تمہاری بکواس کرنے کی انرجی خاصی اسٹورنگ ہو گئی ہے۔“

”ہاں ہاں میری باتیں تو تمہیں اب بکواس ہی لگیں گی اس گدھے کی محبت کا اثر تو آتا ہی ہے۔“ وہ ایک بلا کا ڈھٹ تھا۔

”تم احمد کو کچھ نہیں کہو گے ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔“ وہ غرائی تھی۔

”اوہ اللہ رنے اتنی محبت کیا گھول کر پلا دیا اس انسان نما گدھے نے تمہیں تم اتنی بدل گئیں حیرت ہے مجھے اس چغڈ کے لیے تم مجھ سے جھگڑ رہی ہو مجھ سے۔ میں جو

اسے زچ کر کے وہ اسی طرح لطف اندوز ہوا کرتا تھا۔ ہر دفعہ کی طرح اس دفعہ بھی وہ اس کی بکواس پر آپے سے باہر ہو گئی تھی۔ لیکن اب خود سے کیا گیا یہ عہد ٹوٹ گیا تھا کہ وہ کبھی اس کی باتوں کی پروا نہیں کرے گی۔ احسن بھی سدرہ نے والا نہ تھا۔

”آہا... آہا بڑی دلنواز خوشبو آ رہی ہے پکڑوں کی کیا پکڑے بن رہے ہیں آنٹی۔“ اس کی بھانڈ جیسی آواز بخوبی کچن تک آ رہی تھی۔

”ہاں بیٹھو بیٹا! ابھی مکان لے کر آ رہی ہے۔“ وہ محبت سے گویا ہوئیں۔ اس کے کچن سے نکلنے سے قبل ہی احد لیونگ روم میں آ گیا تھا اور احسن کو وہاں بیٹھنے دیکھ کر لمحے بھر کو اس کی آنکھوں میں استعجاب چمک اُبھر کر معدوم ہوئی تھی۔ فرارخ پیشانی پر ناگواریت کا اظہار کرتی شکلیں پھیل گئی تھیں۔ بے حد خوشگوار موڈ سرد بخیدگی میں ڈھل گیا تھا۔ یہ سارا عمل لمحوں میں ہوا تھا۔ اندر ٹرائی لائی مکان نے سب محسوس کیا اور اس کے اندر بے نامہ سی کھلبلی مچ گئی۔

”آؤ... آؤ تو شے میاں! دولہا راجہ بہت بہت مبارک ہو! حسین بندھن میں بندھ جانا۔“ اس کے اندر داخل ہوتے ہی آنٹی کے پاس بیٹھا احسن ایک جست میں اس کے قریب پہنچ کر بڑی گرمجوشی سے گلے مل رہا تھا۔ آنٹی کے پاس ٹرائی کھڑی کرتی ہوئی وہ دیکھ رہی تھی احسن کی گرمجوشی و محبت کے جواب میں احد کا انداز بہت روکھا اور سہا تھا۔

”کیا چھانٹ کر لڑکی پسند کی ہے تم نے؟ ہمارے خاندان کا اے ون پیس۔“ وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے مکان کی جانب دیکھتا ہوا بولا۔

”تمہیں افسوس ہوا ہے؟“ عام سا لہجہ، شگفتہ انداز لیکن پیشانی کی شکنیں لگا ہوں سے ہویدا شکوک و شبہات کی سرخی مکان سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔ وہ سن ہو کر رہ گئی۔ جسم کا ہر عضو آنکھ بن گیا۔ احد کا جائزہ لینے کے لیے۔

”ارے بھائی! مجھے کیوں افسوس ہوگا بلکہ میں نے

کبھی جو احساس ہو تم کو کہ تم اچھا نہیں کرتے جو مجھ کو یوں رلاتے ہو

ابو میرا جلاتے ہو اگر اس آگ میں جل کر میں اک دل راکھ ہو جاؤں مجھے دل سے بھلا دینا

سندر میں بہا دینا

مگر یہ یاد رکھنا تم

خدا سے یہ دعا کرنا

کہ جو اچھا لگے تم کو

وہ تم جیسا نہ ہو ہرگز

وگرنہ تم بھی روؤ گے

مجھے جسے رلاتے ہو

چند لمحے قبل کمرہ چھتا پر سکون و خوب صورت لگ رہا تھا۔ اب احد کے ہاتھوں اپنی درگت بنائے جانے پر کھرا پڑا تھا۔ ساتھ ہی وہ بھی کارپٹ پر ٹوٹ کر کھڑے کرشل کے گلدان کی طرح اپنی ذات کی گرچیاں کھڑی دیکھ رہی تھی۔ آنسو بن جلائے مہمانوں کی عریح اندے چلے آ رہے تھے۔ جن کو بڑی بے دردی سے ہاتھوں سے مسل رہی تھی۔

شام کو آفس سے وہ خوشگوار موڈ میں آیا تھا۔ مکان سے بڑی چاہ سے پکڑوں اور چائے کی فرمائش کی تھی۔ وہ اس کے بل بل بدلتے موڈ سے خوفزدہ رہتی تھی۔ اس کے موڈ کی خوشگواریت نے اس پر بھی گہرا اثر ڈالا تھا۔ بہت خوش خوش انداز میں وہ پکڑوں کے علاوہ سینڈویچز اور چپس بھی چائے کے ہمراہ تیار کر کے ٹرائی میں رکھ رہی تھی کہ احسن کے زوردار انداز میں سلام کرنے کی آواز آئی۔ کچپ کی بوتل رکھتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ صبح اس کی باتوں پر کس طرح غصے سے اٹھ کر چلی آئی تھی۔ حالانکہ جانتی تھی وہ سب مذاق تھا

تمہارا کلوز فرینڈ ہوں اور اتنی دور سے صرف تمہیں مبارک باد دینے کی خاطر آیا ہوں۔“

”اپنی مبارک باد رکھو اپنے پاس میں تو سمجھی تھی اتنے عرصے بعد آئے ہو تو سدرہ کئے ہو گے اور میرے پرانی ہونے کے احساس نے تمہیں مجھ سے اچھی اور بخیدگی سے باتیں کرنے کی سمجھ دی ہوگی لیکن تم کہتے کی دم ہو جو کبھی سیدھی نہیں ہو سکتی آتے ہی تم نے دل جلانے والی باتیں شروع کر دیں اور مسلسل احد کی شان میں بھی گستاخی کر رہے ہو۔“

”اوہو! شان میں گستاخی وہ تمہارا شوہر ہے یا دادا! احسن اس کی بات کاٹ کر حقہ بہ لگا کر بولا وہ ٹھٹھا کر اٹھ گئی۔

”تم... تم! کبھی نہیں سدرہ و گے ایسے ہی گدھے بلکہ لنگور بنے رہو گے میں ہی باگل تھی جو تمہاری محبت میں سنبھلنے کے ساتھ ہی بھاگی چلی آئی۔“

”اس زرافے کے علاوہ بھی تم کسی اور سے محبت کر سکتی ہو۔“ اس کا انداز بدستور چڑانے والا تھا۔ ہونٹوں پر شریر مسکراہٹ آنکھوں میں شوخی۔

”تم خود انوکھے گدھے لو مڑ بھالو۔“ وہ غصے سے بولتی ہوئی چلی گئی۔ احسن کے دل جلانے والے قہقہوں نے دور تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

اپنے پورشن کی طرف آئی تو محی رحمت بوا کی مدد سے اشیاء لگو اچھی تھیں۔ ہوا اور احد بیٹھے اخبار کا مطالعہ کر رہے تھے۔

”رحمت کو تمہیں بلانے بھیج ہی رہی تھی آ جاؤ ناشہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔“ محی اسے دیکھ کر شفقت سے بولیں وہ چپا کو سلام کرتی ہوئی محی کی برابر والی چیئر پر براجمان ہوئی تھی۔ احد کے برابر کی چیئر خالی تھی جس پر ابھی عمیرہ آ کر بیٹھی تھی۔ احد کی شعلہ بارنگاہوں سے وہ حسب عادت خائف ہو گئی تھی۔ جو اخبار کی اوٹ سے اس کی جانب اٹھ رہی تھیں۔ اسی وجہ سے وہ اس کے برابر نہیں بیٹھی تھی۔

”کہاں گئی تھیں تم؟“ بالآخر وہ اخبار رکھ کر سرد مہری کے بالوں پر کھلے۔

خوب خوشیاں منائی تھیں کہ خاندان کی سب سے بد صورت بدسلوک بھانجی لڑکی ٹھکانے لگ گئی۔ وہ اس کی جانب دیکھتا ہوا شرارت بھرے لہجے میں کہنے لگا تو اسے کرارا سا جواب دینے کو چلتی طبیعت کو نظر انداز کر کے خاموشی سے لوازمات سر دکنے لگی۔

”یہ تم زیادتی کر رہے ہو احسن بیٹا! مسکان جتنی پیاری ہے ذرا افساس کے ہاتھوں کا اتنا ہی اچھا ہے بہتر مند و سلیقہ مند نمبر سے زیادہ ہے۔“ آنٹی اس کے ہاتھ سے لوازمات کی پلیٹ لیتے ہوئے تو صفی لہجے میں بولی تھیں۔

”کیا جاو کر ڈالاسا صاحبہ پر بڑی تعریفیں ہو رہی ہیں۔“ وہ پلیٹ دینے کے لیے جھکی تو احسن جھک کر اس سے سرگوشی میں مخاطب ہوا۔ اس نے جواب تو نہ دیا البتہ ہونٹوں پر مسکراہٹ بھیل گئی۔ اس لمحے احد کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ پیشانی پر بڑی شکنوں میں مزید اضافہ ہو گیا۔ وہ کٹھنبوں سے ان دونوں کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔

”تمہیں یاد تھا مجھے پکڑے کتنے پسند ہیں واہ واہ اتفاقاً پکڑے بڑے زبردست بن گئے ہیں۔“ وہ ڈھیر کچپ لگا کر کھاتا ہوا بول اٹھا۔ اسی دم اس نے مٹی اور احد کو سر دکنے کے بعد پلیٹ اس کی طرف بڑھائی تو احد نے جھٹکے سے اس کا ہاتھ دور کیا تھا۔

”صرف چائے دو۔“ لہجہ تھا یا لہراتا ہوا کوڑا برس تھا وہ ہر اسان رہ گئی۔

”مگر آپ نے تو بہت شوق سے پکڑے ہوائے تھے۔“

”موڈ نہیں ہے اب چائے دو۔“ اک لمحہ اس کی نگاہ اٹھی تھی کسی وحشت کیسی کاٹ تھی وہ پوری جان سے کانپ اٹھی۔

”دے دو بہو! اس کی یہی عادت ہے۔ گھڑی میں اولیاء گھڑی میں بھوت والی بہت جلدی اس کی پسند ناپسند میں بدل جاتی ہے۔“ آنٹی چپس کھاتے ہوئے خوشگوار انداز میں گویا ہوئیں۔ وہ دونوں ہی اس کی حالت سے بے خبر تھے۔ مسکان نے پلیٹ ٹرالی پر رکھی اور ٹی پاٹ سے چائے نکال کر کپ سا سرسمیت اسے تھمائی جو ایک جھٹکے سے تھما گیا تھا۔

”کھالو یار! کیوں کفران نعمت کر رہے ہو۔ میں تو حیران ہو رہا ہوں۔ شادی کے بعد اس کے ہاتھ میں اس قدر لذت کیسے آگئی۔“ احسن نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کی پلیٹ آدھے سے زیادہ صاف ہو گئی تھی۔

”تم کھاؤ تمہیں کھاتے ہوئے دیکھ کر انہیں زیادہ مسرت ہوگی۔“

”میں کھار ہا ہوں اور ای لیے کھار ہا ہوں کہ اسے خوشی ہوگی اور اصل ہم میٹ فرینڈز رہے ہیں۔“ احسن مسکرا کر گویا ہوا۔

”ہونہ۔۔۔ میٹ فرینڈز یا۔۔۔ میٹ لوررز۔“ اندر زہر ملی سوچ ابھری۔

”مسکان تم کچھ کیوں نہیں کھا رہی ہو؟ ٹوٹا۔“

”میاں کا ساتھ دینے کی ضرورت نہیں ہے تم نے سنا نہیں آنٹی نے بتایا تو ہے احد گھڑی میں اولیاء گھڑی میں بھوت بن جاتے ہیں تو میرے خیال میں یہ ان کے بھوت بننے کا نام ہے اور میری تاریخ کے مطابق بھوت وہ نہیں کھاتے جو ہم کھاتے ہیں۔ چائے بھی احد نے ازراہ مروت پی ہے۔“

اس کی ایک اس عادت سے بھی وہ تنگ تھی کہ وہ ہر کسی سے مذاق شروع کر دیتا تھا خواہ سانسے والے کا موڈ جو بھی ہو اسے پرواہ نہ تھی۔ اسے مجبوراً ایک سینڈویچ اور چائے لینی پڑی تھی۔ دل عجیب وحشت ناک اداسیوں کے جنگل میں گم ہو گیا تھا۔

”تم آئے کب ہو؟“ احد چائے سپ کرتا ہوا پوچھنے لگا۔

”آج صبح“ کیا مسکان نے بتایا نہیں صبح ہی صبح یہ کیا درگت بنا کر آئی ہے میری۔“ معاً چائے پیتے ہوئے اس کے زبردست پھندا لگا تھا۔ سانس گلے کے کسی گوشے

میں اٹک گئی تھی۔ کپ ہاتھ سے چھوٹ کر کارپٹ پر گر گیا۔ مٹی نے گھبرا کر اس کی کمر سہلائی تھی۔ وہ دونوں بھی خاموش ہو کر اس کی جانب دیکھنے لگے تھے۔ کافی دیر بعد اس کی طبیعت بہتر ہوئی تھی۔ وہ کمرے میں جانے کے لیے کھڑی ہو گئی وہ جس بات کی نہ ہونے کی دعا مانگ رہی تھی وہی بات ہو گئی تھی۔ اس نے دانستہ احد کی طرف دیکھنے سے گریز کیا تھا۔

”آرام کرو عمیرہ کوچنگ سے آ رہی ہوگی وہ یہ سیٹ لے گی۔“

”آر یو او کے؟ سہارا دے کر کمرے تک لے کر چلوں۔“ احسن اس کی اڑی اڑی رنگت و بدحواسی دیکھ کر فکر مندی سے گویا ہوا۔

”نہیں میں ٹھیک ہوں دراصل گرم چائے پینے کی عادی نہیں ہوں بے دھانی میں گھونٹ بھرنے سے ایسا ہوا ہے۔ کچھ دیر آرام کروں گی ٹھیک ہو جاؤں گی۔“ وہ تیزی سے وضاحت کرتی ہوئی کمرے میں آگئی تھی۔

ایک انجیا خوب نے جتنی بے چینی اس کی رگ و پے میں سرایت کر گئی تھی۔ آج سے قبل اس نے محسوس کیا تھا احد احسن کے ذکر پر خاموش ہو جاتا ہے اور ایسا کیوں ہوتا ہے اس نے سمجھنے کی کوشش ہی نہ کی تھی مگر آج اکھڑا اکھڑا رویہ بے زار انداز اور نگاہوں کے بدلتے رنگوں نے احد کی طرف سے اسے فکر مند کر ڈالا تھا۔ اسی طرح سوچوں میں الجھتے الجھتے وہ نیند کی وادیوں میں گم ہو گئی۔ کوئی چیز زبردست انداز میں گری تھی زوردار آواز سے اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔

”موبائل کہاں ہے میرا؟“ اسے آنکھیں کھولتے دیکھ کر وہ دباڑا تھا۔

وہ برقی رفتار سے بیڈ سے اترتی تھی اور مطلوبہ جگہوں پر اس کی موجودگی درکنار آثار تک نہ تھے۔ وہ کتابوں کے شیلف کی طرف بڑھی ایک ایک کتاب پٹا کر دیکھتی موبائل کہیں نہ تھا۔ احد کی گھوڑی نگاہوں نے اس کے رہے سہاوسان بھی خطا کر ڈالے تھے۔

”آخر کہاں چلا گیا؟ تم سے کوئی چیز میری سنبھال کر نہیں رکھی جاسکتی؟ ہونہ تمہاری نظروں میں میری اوقات ہی کیا ہے جو تم میرا یا میری چیزوں کا دھیان رکھو۔“ اس نے شدید غصے میں بولتے ہوئے تمام درازیں ایک ایک کر کے کھینچ لیں۔ ہینر کلبس، میگزینز، جوبلی، چوڑیاں، رومال اور بھی بہت کچھ چھوٹا موٹا سامان منگیزوں کی طرح بٹھرا گیا تھا۔ بیڈ شیٹ نیلے کے خلاف، کبل وہ نوج کر زمین پر پھینک چکا تھا۔ ڈریسنگ ٹیبل پر فرموز کی بوتلیں، جیل، ہینر برش، پاؤڈر، مسکان کا میک اپ کا سامان ہاتھ مار کر پھینک چکا تھا۔ اس کا جنون اس کی اشتعال انگیزی اس کی حرکات و سکنات سے عیاں تھی۔ سفید رنگ غصے کی شدت سے سرخ اتار ہو رہا تھا۔ آنکھیں انگاروں کی مانند تھوڑے سے اسی طرح سالم نگل جائے گا۔ کمرہ پورا ہی تھیں نہیں کر کے رکھ دیا تھا۔ ہر شے کی تلاشی لینے کے بعد وہ ایک سائیڈ میں کھڑی کانپتے وجود سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ موبائل کہیں نہیں ملا تھا۔ وہ ڈر رہی تھی نہ معلوم اب کیا سزا دے گا؟ اس کے تیر خطرناک تھے محسوس ہو رہا تھا سامان کے بعد اس کے ٹوٹنے کی باری آنے والی ہے۔

اس نے گھوم کر ایک لائٹ ٹیبل کو ماری تھی۔ ٹیبل کے شیشے کے ساتھ اس پر رکھا ہوا کرشل کا گلدان زوردار چھانکے سے ٹوٹا اور اس کا دل جیسے لمحے بھر کو دھڑکنا بھول گیا تھا۔ خوف و ہشت سے وہ لرز گئی۔

”یہیں رکھ کر گیا تھا میں مجھے بتاؤ کہاں گیا وہ؟“

کمرے کو خوب کباڑ خانہ بنانے کے بعد وہ اس سے مخاطب ہوا تھا خونخوار لہجے میں۔ وہ پہلے ہی خوف و ہشت سے ادھ مری ہوئی جا رہی تھی۔ اب اسے مکمل طور پر اپنی جانب متوجہ دیکھ کر گھبراہٹ و بے کھلاہٹ کا شکار ہو گئی۔

”مم۔۔۔ مم۔۔۔ مجھے معلوم نہیں کہاں گیا موبائل؟ میں نے اسے دیکھا بھی نہیں ہے اور میں آپ کی ہر چیز بڑی حفاظت سے رکھتی ہوں۔ آج تو سارا دن میں

کمرے میں نہیں آئی۔ انکل کی طرف گئی ہوئی تھی۔ اس نے قدرے بولکھا کروصاحت کی تھی۔
”تمہیں معلوم نہیں؟ تو پھر کسی کو معلوم ہوگا؟ عجیب بات کرتی ہو اور میں نے تمہیں منع کیا ہے نا انکل کی طرف دوڑ دوڑ کے جانے کو پھر تم کیوں گئیں؟ اور صبح ہی صبح احسن کے بیدروم میں گھس کر ایسی واہیات حرکت کرتے ہوئے ذرا شرم نہیں آئی؟ تمہیں اس کی طرف جانے کی ضرورت کیا تھی؟“ وہ اسے گھورتے ہوئے پے درپے سوالات کی بوچھاڑ کر رہا تھا۔

”معلوم خوف و گھبراہٹ کی کون سی قسم تھی کہ اس کے ہونٹ اس طرح آپس میں جڑ گئے گویا گوند لگا کر بند کر دیئے گئے ہوں۔ اس کی خاموشی پر نامعلوم اس کا کیا رسیانس ہوتا کہ اسی وقت دروازہ ناک کرتی عمیرہ اندر آگئی۔ کمرے کا حشر دیکھ کر اس کی بے ساختہ چیخ نکل گئی تھی۔

”آہ! یہ کمرے کا حال کس نے کیا ہے؟“ اس کی حیران و پریشان نظریں ہر شے کا جائزہ لے رہی تھیں۔
”گڑیا! یہ موبائل کہاں سے ملا؟“ وہ اس کے ہاتھ میں دبے موبائل کی طرف فوراً متوجہ ہوا تھا۔ بہن سے بات کرتے ہوئے اس کا لہجہ شیریں و نرم تھا۔

”میں یہی تو دینے آئی تھی آپ کو شام میں آپ لیونگ روم میں بھول آئے تھے۔ یہاں ہوا کیا ہے؟“
نوٹے پھونٹے بھرے سامان کی طرف سے اس کی نگاہ اٹھ کر سامنے خاموش کھڑی مسکان پر جم گئی تھیں۔ اڑی اڑی رنگت چھلکنے کو ہے۔ تاب بھری بھری آنکھیں شدت ضبط سے ہونٹ کاٹتی ہوئی مسکان کو دیکھ کر اسے صورت حال سمجھنے میں ذرا دیر نہ لگی اور وہ مزید کچھ کہے برق رفتاری سے کمرے سے نکلی تھیں اور کچھوں میں مئی کا ہاتھ پکڑے کمرے میں دوبارہ داخل ہوئی تھی۔

”ہائے اللہ! یہ کیا حالت بنا رکھی ہے کمرے کی؟“
کمرے میں قدم رکھتے ہی وہ حیرانی و پریشانی سے گویا ہوئی تھیں۔

”میں یہی دکھانے کے لیے آپ کو یہاں لائی ہوں! بھائی سے پوچھیے۔ یقیناً یہ ان کے ہی مزاج کا کمال ہے۔“
عمیرہ شکایتی انداز میں احد کی طرف اشارہ کر کے بولی۔
”مئی کو دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی تھی۔“
”مئی میرا موبائل نہیں مل رہا تھا وہ ڈھونڈنے کے چکر میں ہی یہ سب ہو گیا ہے۔“ اس کے اطمینان بھرے انداز میں کوئی افسوس یا اندامت کا شائبہ تک نہ تھا۔ یہ انداز مسکان کے ساتھ ساتھ ان دونوں کو بھی سخت ناگوار گزارا تھا۔

”ایک موبائل کی خاطر تم نے یہ ادھم مچا کر رکھا ہے۔ کیا دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا؟ اس عمر سے ہی سنبھالنے لگے ہو؟ کن لوگوں کی سمجھت میں رہ رہے ہو جو یہ اٹھائی کیروں جیسے انداز پیدا ہو گئے ہیں۔ سامان کا جو خرابا کیا سو کیا ناحق اس بچی کا بھی خون خشک کر ڈالا تم نے۔ پہلے ایک نظر لیونگ روم میں بھی ڈال آتے۔“
کمرے کی حالت سے زیادہ انہیں فکر ورنج ڈری تھی۔ متوحش سی کھڑی مسکان کو دیکھ کر ہوا تھا جوان کے قریب آگئی تھی۔

”کچھ دیر کے لیے میں تمہارے چچا کی طرف چلی گئی تھی ورنہ عمیرہ اسی وقت لیونگ روم کی صفائی کرتی تو موبائل تمہیں دے جاتی۔ اب اپنے غصے پر قابو پانا سیکھو اس طرح زندگی گزرنے والی نہیں ہے۔“ مئی اس وقت پورے جلال میں آچکی تھیں وہ خاموشی سے کمرے سے نکل گیا تھا۔ وہ جو اس کے خوف سے آنسو ضبط کیے کھڑی تھی اس کے باہر نکلتے ہی آنسوؤں پر لگا ضبط کا پہرہ ٹوٹ گیا اور وہ دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ کر بندھنوں سے رو پڑی تھی۔

”ارے..... رے روؤ مت نامعلوم کیا ہو گیا ہے اسے اتنا غصہ اتنی انتہا پسندی اس کے مزاج کا حصہ نہ تھی اس کے اندر نامعلوم کیسے بھر گئی؟ ورنہ میرا بچہ تو قدم بھی بے آواز اٹھاتا تھا۔“ اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے ان کے لہجے میں بھی از حد پریشانی و فکر مندی تھی۔

عمیرہ اسے روتے دیکھ کر خود بھی رو پڑی تھی۔ انہوں نے دونوں کو سینے سے لگا کر خاموش کر دیا تھا پھر انہوں نے مل کر کمرہ صاف کیا تھا۔

توڑ دیتے ہیں آس کے رشتے
غم کے عنوان نکھار دیتے ہیں
لوگ بھی کس قدر ستم گر ہیں
پھول مانگو تو خار دیتے ہیں

حساس وہ بہت تھی اور اب احد کا غیر متوقع انداز اسے اذیت میں مبتلا کیے ہوئے تھا۔ اس کا جنونی غصہ کبھی بھی اس کی پرستائی کا حصہ نہ رہا تھا۔ وہ کم گو سنجیدہ رہنے کا عادی تھا۔ نہ جانے وہ ایسا کیوں ہو گیا تھا بے انتہا بے حس و بے مروت بے رحم غصہ تو جیسے اس کے مزاج کا تعارف بن گیا تھا۔ صبر ضبط برواشت کا مادہ بالکل بھی نہ رہا تھا۔ بات بات پر آئے سے باہر ہو جاتا اور پھر جو چاہتا کہنے لگتا۔ وہ حیران و خوفزدہ اس کا رنگ بدلنا چہرہ نکلتے جاتی اس کے سامان و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ اس کی ایسی عزت افزائی کرے گا۔ معمولی معمولی باتوں پر تمام لحاظ بالائے طاق رکھ دے گا اس کے کول کول احساسات کو یوں کند چھری سے ذرا کرنے کا وہ اپنے آپٹل میں ڈھیروں آرزوؤں کے گلاب لائی تھی خواہشوں کے کنول احد نے ہی اس کے دامن میں بھرے تھے۔ یہ شادی خالصتاً احد کی ضد شدید خواہش و اصرار پر ہوئی تھی۔ احد کی ان شدتوں نے اسے خوش فہم بنا ڈالا تھا۔ اس کی زندگی بدل کر رہ گئی تھی۔ وہ اس کے سپنوں پر قابو پنا ہوا تھا۔ دھڑکنوں میں بس گیا یہ خیال ہی کس قدر جہاں فزا اور وح پرور تھا کہ وہ احد کی خواہش ہے۔ وہ اسے چاہتا ہے بے حد بے حساب اس کے اصرار پر ہی جھٹ پٹ شادی کا انتظام کیا گیا تھا۔ نہ جانے کس لمحے وہ اس کی نگاہوں کا مرکز بن گئی تھی کہ وہ جہاں ہوتی اس کی نگاہیں بھی آس پاس رہتیں وہ ہر لمحہ ہر پل اسی کی کھوج میں رہنے لگا تھا۔ پہلے پہل اسے ان نظروں سے از حد الجھن ہوا کرتی تھی۔ کیونکہ پہلے وہ سب ایک ساتھ یہیں رہا کرتے تھے باوجود ایک ساتھ

پردان چڑھنے کے وہ آپس میں بے تکلف نہیں تھے۔ احد تمام کمزری سے مختلف تھا۔ کسی سے بھی بے تکلف نہ ہوتا تھا۔ عجب لائق و بے اعتنائی تھی اس کی طبیعت میں۔ وہ خود میں مگن ان سے دور دور رہتا تھا۔ جو بھی مجبوراً ان کی گید رنگ میں بیٹھ بھی جاتا تو اسی لائق انداز میں۔ اسے بار بار مخاطب کرنا پڑتا تو مختصر جواب دیا کرتا تھا۔

ثناء کا کہنا تھا کہ احد بھائی اپنی خوب صورت آواز کی حفاظت کرتے ہیں کہ کہیں زیادہ استعمال سے خراب نہ ہو جائے اس لیے زیادہ بولنے سے گریز کرتے ہیں۔“
ثناء کے انکشاف نے انہیں نئے کام پر لگا دیا۔ وہ ہر وقت اس کی آواز سننے کی متمنی جان جان کر اسے بات کرنے پر اکساتے انہیں ثناء کی بات کا قائل ہونا ہی پڑا تھا۔ ان سب نے محسوس کیا تھا نہ صرف اس کی آواز دلکش ہے بالکل دھیمادھیم پھواری برساتا لہجہ بھی شاندار ہے۔

”پھر بھی احد بھائی اتنا کم کیوں بولتے ہیں؟“ عمیرہ کنفیوژ تھی۔

”ارے بھی! وہ گدھاتے اور گدھے اپنی آواز کو بخوبی سمجھتے ہیں۔“

”گدھے تم خود ہو ہر کسی کو اپنی طرح مت سمجھا کرو۔“ مسکان نے چھیڑا۔

”اے دم کئی بندریا تمہیں درمیان میں بولنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“

”تم خود ہو کان کئے لنگور۔“ مسکان چپ کر کہہ اٹھتی بحث کا موضوع بدل جاتا۔ ان میں ہمیشہ کی طرح جنگ چھڑ جاتی۔ جس میں دونوں فریق ہی ہتھیار ڈالنے پر تیار نہ ہوتے۔ ان کی نوک جھوک سے باقی سب خوب لطف لیتے۔ ان دونوں میں جتنی گہری دوستی تھی۔ اتنی ہی ایک دوسرے سے لڑائیاں بھی لڑی جاتی تھیں جو جلد بھی سب جنگ میں بدلتی رہتی تھیں۔

بہت اچھے دن تھے وہ بھی نہ کچھ ہونے والی یادوں سے وابستہ۔

ان ہی دنوں اسے احد کی نگاہوں کے بدلتے رنگ

ڈسٹرب کرنے لگے تھے۔ وہ اس سے بات نہیں کرتا تھا مگر اس کی بولتی نگاہیں اسے بدحواس رکھتی تھیں۔ ان ہی دنوں ڈیڈی اور ماما بھائی اور بھائی کے پاس سائیکس جانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ وہ بھی خوش محسوس تھا۔ باہر جانے کے خیال سے اور اس کا یہ خیال محض خیال ہی رہا۔ ان کے سائیکس جانے میں دو ہفتے باقی تھے ماما اور ڈیڈی کے ویزے مل گئے تھے۔ اس کے ویزے میں نہ جانے کیا تاخیر تھی۔ ڈیڈی اسلام آباد جانا ہی چاہتے تھے کہ رات کو چچا اور چچی (جن کو شادی کے بعد احد کے حکم پر مٹی پیا کہنے لگی تھی) چھوٹے چچا اور چچی کے ساتھ آئے اور گزارش کی کہ سائیکس جانے سے قبل مکان کو ان کی جھولی میں ڈال دیں۔ فیصلہ بالکل بروقت کرنا تھا۔ ماما ڈیڈی نہیں مان رہے تھے۔ وہ رخت سبز باندھ چکے تھے۔ اپنی رہائش گاہ جوان کے برابر والی تھی وہ فروخت کر چکے تھے۔ طویل عرصہ سائیکس میں اپنی بیٹے بہو کے ساتھ گزارنے کا ارادہ تھا۔ پھر جو کہتے ہیں جذبے صادق ہوں تو منزل مل ہی جاتی ہے۔ نامعلوم کیا کیا جتن کر کے اسے اپنا بنالیا تھا وہ جو دوسرے دیس جانے کے خواب دیکھ رہی تھی کسی خوب صورت خواب کی حسین تعبیر کی طرح پیار کے دیس چلی آئی۔ کم گو سنجیدہ مفرد احد اسے پا کر از حد خوش تھا۔ وہ اپنی ظاہری صفات سے بالکل مختلف تھا۔ اپنے گلشن حیات میں اس نے اس کو بڑی گرم جوشی و مسرت سے خوش آمدید کہا تھا۔ کھلے دل سے پذیرائی کی تھی۔ اس کی جنوں خیر چاہتوں نے مکان کے ارد گرد پھول ہی پھول کھلا دیئے تھے۔ وہ نیلے آکاش کی بلند یوں پر پرواز کرنے لگی تھی۔ حسین و پر ہمار سبز و شاداب وادیوں میں سیر کرنے لگی۔ احد کا رویہ بہت اچھا تھا۔ وہ اس کے ساتھ ہنستا باتیں کرتا بے حد خیال رکھتا۔ لیکن یہ دن کسی خوب صورت خواب کی طرح جلد گزر گئے۔ نامعلوم اسے کیا ہوا؟ وہ بالکل بدل گیا۔ کم سخن پہلے تھا اب تو گویا لب و کرنا ہی بھول گیا تھا اور جو کبھی کوئی بات کرتا بھی تو ایسی کہ وہ پہروں اس کے انداز پر کڑھتی روئی اور سوچتی اسے کیا

ہو گیا ہے؟ وہ ایسا کیوں ہو گیا ہے؟ پہلے تو ایسا نہ تھا پھر یہ اچانک کیا ہو گیا؟ سخت مزاج اس قدر کہ کڑھکی چہرے سے ہو گیا تھی آنکھیں خفگی سے بھری ہنستا درکنار مسکراتا بھی بھول گیا تھا۔ اس کی محبت چاہت بے قراری چاروں کی چاندنی ثابت ہوئی تھی۔ وہ اس کے ہر روپے پر سوچتی اس سے کہاں غلطی ہوئی؟ کیسی انجانی خطا ہوئی ایسی کیا کوتاہی ہوئی جو وہ اس سے اکھڑا اکھڑا خفا خفا بے زار رہنے لگا۔ ہزار بار سوچنے کے باوجود بھی اسے اپنی کوئی غلطی یا قصور نظر نہ آیا جو اس کی مسلسل انتہا پسندی و اشتعال انگیزی کا شکار بن رہی تھی۔ اس کی وہ چاروں کی محبت اور چاہت کے دلولہ خیز مظاہرے اتنے حیات بخش و تسکین آمیز تھے کہ اس کی اب یہ بے مروتی دکھائی دے گی۔ اسے گھائل کیے ہوئے تھا۔ وہ کسی بے قرار روح کی مانند ہر لمحہ مضطرب رہا کرتی تھی۔

آج تو اس نے وحشت و جنون کی تمام حدیں پار کر ڈالی تھیں۔ آنسو خشک ہونے کا نام ہی نہ لے رہے تھے۔ ماما اور عمیرہ کتنے پیار سے اس کی دلجوئی کر رہی تھیں۔ احد کے بدلتے رویے و گرم مزاجی نے انہیں بھی متحیر کر ڈالا تھا۔

”نامعلوم کیا ہو گیا ہے احد کو ایسی بدتمیزی و سنگدلی کا مظاہرہ کبھی نہ کیا تھا۔ اس کی خاطر کیوں خود کو بلکان کر رہی ہو اس احمق کو خود احساس نہیں ہے کہ وہ کیا کر رہا ہے بہت جلد ہی اسے معلوم ہو جائے گا تو دیکھنا خود تم سے معافی مانگے گا۔ شاباش مسکراؤ شاباش۔ ایسی چھوٹی موٹی باتوں کو دل سے نہیں لگاتے ایسی باتیں تو ہر گھر کا معمول ہیں اور پھر شوہروں کو عادت ہوئی ہے بات بے بات رعب جمانے کی حکم چلانے بات منوانے کی جب تک مرد ایسی جاہلانہ حرکتیں نہ کریں ان کی حاکمانہ فطرت کو تسکین نہیں ملتی۔ چین و قرار نہیں آتا۔ ماؤں پر رعب ڈال نہیں سکتے بہنوں کے مہمان ہونے کا خیال ہوتا ہے اب بیوی کے روپ میں عورت ہی ان کی حکمرانی مسمانی حاکمیت کے زمرے میں آتی ہے سو دل کھول کر ایسے مظاہرے کیے

جاتے ہیں۔ لیکن یہ بات قابل تحسین ہے کہ وہ تمہیں محبت و اپنائیت بھی اتنا ہی دے گا جتنا غصہ کرتا ہے اور تم تو ویسے بھی اس کی خواہش ہو۔ پسند ہو بڑی چاہ سے اس نے تمہیں اپنے جیون میں شامل کیا ہے۔ اس کی پہلی تمنا آخری خواہش تم ہی تو ہو۔ ان کا مشفقانہ انداز ایک شریر دوست کی طرح ہو گیا اور اس کے بھیکے چہرے پر شرمیلی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

”بھینکس گاؤں بھائی آپ مسکرائیں تو سہی ورنہ مجھے لگ رہا تھا آپ کے آنسوؤں کے سیلاب میں ہم سب ڈوب نہ جائیں۔“ عمیرہ ٹرے میں چائے کے ہمراہ اسٹیک بھی لے آئی تھی۔ کیونکہ اس نے کھانے سے انکار کر دیا تھا۔ ماما کے حکم کے مطابق اسے چائے کے ساتھ اسٹیک بھی لینے پڑے تھے۔

عمیرہ یونیورسٹی کے قصبے سنانے لگی جو قصبے کم چٹکے زیادہ تھے ماما بھی اپنی یادداشت سے کھینچ کھانچ کر کوئی کوئی ایسی بات ضرور سنائی تھیں جس سے بے ساختہ ہونٹوں پر مسکراہٹ نکھر رہی تھی۔ وہ ماں بیٹی اس کی دلجوئی میں لگی ہوئی تھیں۔ ان کے اتنی محبت و اپنائیت بھرے دلاسون نے اس کی ذہنی کشاف کا کافی حد تک دور کر دی تھی۔ وہ خود کو قدرے بہتر محسوس کر رہی تھی۔

☆☆

وہ رات کو لیٹ آیا تھا وہ سوئی نہیں تھی۔

”تم ابھی تک کیوں جاگ رہی ہو؟“ احد نے کوٹ اتار کر بیڈ پر ڈالتے ہوئے نارل لہجے میں کہا۔ اس کا انداز پرسکون تھا شام کی ناگوار یوں کا کوئی ہلکا سا شائبہ تک نہ تھا پرسکون چہرہ نرم انداز بیا کی معصومیت و بے فکرگی تھی۔

”کھانا لاؤ؟“ اس کے پرسکون انداز و لا پرواہی نے مکان کے اندر جاری کھولن کو مزید بڑھا دیا۔ بھلا اسے بے عزت کر کے وہ خود کس قدر راحت و چین سے تھا۔ اسے اس کی بے نیازی نے بے چین کر دیا تھا۔ جب دل میں شکوے شکایتوں کے انبار لگ جائیں لہجے میٹھے جذبوں سے عاری سپاٹ و خشک ہو جاتے ہیں زبان

کڑوی و لفظ بے تاثر ہو جائے تو یہی حالت ہوتی ہے جو اس وقت اس کی تھی۔ احد نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔ بھاری پپوٹے سرخ ناک نسا چہرہ لگاوت و چاہت سے عاری سپاٹ لہجہ اسے بری طرح سلگا گیا۔

”تو بھینکس۔“ وہ جھنجھلا کر گویا ہوا اور پاؤں چٹختا ہوا اچھڑا تھک کی طرف بڑھ گیا۔ ٹائٹ ڈریس پہن کر باہر آیا تو اس کی جانب دیکھے بغیر لائٹ آف کر دی۔ اس کے برابر سے نکلیے کھینچ کر بیڈ کے کنار پر لیٹ گیا تھا۔ از حد بیگانہ و سرد رویہ تھا اس کا مکان کے دل میں کھلی کھلی سی خواہش و کشش ہی امید معصوم سا خیال سوہوم سی آس کہ وہ اپنی زیادتی پر شرمندگی کا اظہار کرے گا۔ اس کے بے رحم و سنگدل رویے کی آج نے کوئی سی خواہش کو کھلنے سے قبل ہی جھلسا ڈالا تھا۔ اس کی یہ بیگانگی و لاتعلقی اس کے دل پر ضرر نہیں لگانے لگی تھی۔ وہ خاموشی سے بے آواز دل کی گھٹن آنسوؤں کی صورت میں بہانے لگی۔ بے چینی اسے بھی گھیرے میں لینے لگی تھی۔ دم بدم بدلتی کروٹیں اس کے مضطرب و بے کل ہونے کی غماز تھیں۔ اس کے آنسو اسے بے چین کر رہے تھے لیکن جہاں اتنا ناک کا مسئلہ آجائے۔ وہاں بے چینی و اضطراب تو برداشت کر لیا جاتا ہے مگر پہل کرنا جھکتا منظور نہیں ہوتا۔ وہ بھی ایسا ہی تھا۔

انارپرست و خوددار حد سے سوا۔

وہ کروٹیں بدلتا بدلتا کسی پہرہ تنو گیا تھا۔ نیند مکان سے روٹی رہی تھی۔ آنسو دوپٹے سے رگڑتے ہوئے کروٹ بدلتا وہ جو ناراضگی کا اظہار کرتا ہوا بیڈ کے کنار پر سو گیا تھا کروٹیں بدلتا ہوا بہت قریب آ گیا تھا۔ نفاس سے سنورے رہنے والے بالی بکھر کر پیشانی پر پھیلے ہوئے تھے۔ سحر انگیز آنکھیں بند تھیں۔ وہ بے خبر نیند میں بخواب تھا۔ اس وقت اس کے چہرے پر انوٹھی سی چمک پھیلی ہوئی تھی۔ وہ درحقیقت وہ تھی جو ہر وقت اس پر سوار رہنے لگی تھی اس وقت بالکل نہیں تھی۔ وہ بے اختیار اسے دیکھے گی۔ وہ خاندان کا خوب روخص تھا۔ ہزاروں دلوں کی دھڑکن سیکنڈوں دلوں کی آرزو لیکن میں نے اسے پانے

کی آرزو کی تھی اور اپنا بنا کر چھوڑا تھا۔ کس قدر حیات بخش تھا یہ خیال کہ یہ شخص صرف میرا ہے اور کیسی جان کنی میں مبتلا کر دینے والی سوچ تھی کہ نامعلوم یہ مجھے پسند کرتا بھی ہے یا نہیں اس کے تئیں انداز تو تمام خوش گمانیوں کو ملیا میٹ کر دینے والے تھے۔ نہ غیر یقین ہونے دیتے نہ یقین کی ڈور کو تھامنے دیتے۔ شاید وہ محبت ہی کرتا تھا کہ وہ غیر وطن جاتی جاتی اس کی بنیادی گئی تھی اور اس کی دھڑکنیں بھی اس کا نام لاپنے لگی تھیں۔ وہ اسے اپنا بنا کر بیگانہ بن گیا نہ معلوم کیوں؟

☆☆

وہ سب لان میں جمع تھے موسم بڑا سہانا ہو رہا تھا۔ ابر آلود آسمان سے شفاف بوندیں موتیوں کی طرح گر رہی تھیں۔ دھیمی دھیمی چلتی ہوئی مسیت ہوا کے عطربیز جھونکے بوندیں جو کچی مٹی پر پڑ رہی تھیں مٹی بھیک کر از حد حیات بخش خوشبو لٹا رہی تھی۔ بارش کے قطروں سے دھلے دھلائے چیز پودے سبز سب کھڑے تھے۔ جنرے پر کھڑی پھولوں میں گھری سرخ کاشن کے اسٹاکس سوٹ میں وہ ماحول کا ہی حصہ لگ رہی تھی چہرے کے نقوش اس کے دلکش تھے گندم کی سنہری رنگت میں سرخیاں کھلی ہوئی تھیں۔ اس کی سیاہ آنکھیں بہت دلکش اور خوب صورت تھیں۔ قدر مناسب و خدو خال پرکشش تھے۔ سیاہ رنگی بال دراز و گھنے تھے وہ رعنائی و دلربائی کا مرقع تھی۔ ہنسی مسکراتی خوش و شاداب سی مسکان کا یہ روپ بہت عرصے بعد وہ دیکھ رہا تھا۔ اس کی مسکراہٹ دشوئی پر تو وہ قدا ہوا تھا اور اس کی زندگی میں آنے کے بعد ہنسنا مسکراتا دشوئی و شادابی سب بھول گئی تھی۔ ہر وقت کھوئی کھوئی رہتی خاموش و گم گویا بات کرے گی تو روڑے کی۔

”مسکان! ابھی میری موجودگی میں بھی اس طرح ہنسی مسکراتی رہا کرو تمہارے اس روپ کا تو میں دیوانہ ہوں تمہاری ان ہی شوخیوں نے تو میری راتوں کی نیندیں دن کا سکون و قرار لوٹ لیا تھا تمہیں حاصل

کرنے کے لیے میں نے بزرگوں کو خود کشی کرنے کی دھمکی دے دی تھی۔ اگر تم مجھے نہ ملتیں تو زندگی موت سے بدرجہا ہو جاتی۔ تمہیں پا کر محسوس ہوا میں نے زندگی کا مقصد پالیا ہے لیکن وہ مسرت وہ شادمانی لگاتی ثابت ہوئی۔ تمہیں پا کر کچھ دنوں بعد مجھے محسوس ہوا تم میری منزل تھیں مگر میں تمہاری منزل نہ تھا۔ تمہارے ہونٹوں پر ہر وقت احسن کا نام تھا۔ احسن ایسا ہے وہ ایسے چلتا ہے وہ ویسے بیٹھتا ہے۔ اسے یہ ڈش پسند ہے اسے وہ ڈرنک پسند ہے وہ اس طرح بنتا ہے اس کا پسندیدہ پھول سن فلادور ہے اس کا پسندیدہ کلمہ غیرہ وغیرہ۔ شادی کے ابتدائی دنوں میں جب ہم دونوں کے درمیان کوئی تیسری پرچھا میں بھی مجھے قطعی گوارا نہ تھی۔ تم اس کو موجود رکھتی تھیں۔ جو نہ ہوتے ہوئے بھی ہمارے درمیان موجود رہتا تھا۔ میں جتنا اس سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا اتنی ہی اس کو ہمارے درمیان کھینچتی تھیں۔ احسن جو میرا کزن ہے اب مجھے رقیب لگنے لگا ہے اور کیوں نہ لگے جو شخص کسی لڑکی کو اپنے شوہر سے زیادہ عزیز ہو وہ رقیب ہی لگے گا۔ رفیق نہیں۔ میں جو مسکان سے اپنے بارے میں سننا چاہتا تھا میں جو اپنی محبت و لگن دیوانگی کے قصے اس کو سناتا تھا اپنی بے تائیاں بے چینیوں و بے قرار یوں کی داستان اسے کئی کئی بار سنا چکا تھا جواب اس سے بھی ایسی ہی بے قرار یوں کا احوال جانتا چاہتا تھا مگر جوابا محبت کے اظہار و اقرار کے بجائے احسن نام سننے کو ملتا تھا۔ شادی کے دو ماہ گزر جانے کے باوجود اسے معلوم نہیں کہ میرا فیورٹ کلمہ کون سا ہے۔ ہاں اسے یہ معلوم ہے کہ احسن مسٹر ڈسٹ کے ساتھ کس میچنگ کی ٹائی اور رومال پسند کرتا ہے۔

احدا پر میز پر کھڑا اسے پھولوں و کلیوں کے درمیان کھلکھلاتے ہوئے دیکھ کر سوچ رہا تھا وہ ایک شینڈ کے نیچے اس طرح کھڑا تھا کہ بوندوں سے بھی بچا ہوا تھا اور نیچے بھی آسانی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ آج آٹس سے جلدی آگیا تھا۔ موسم انجوائے کرنے کا ارادہ بہت عرصے بعد بنا تھا اور ایسے میں وہ جان عزیز بھی سرایا بہاری کھڑی تھی۔

محبت نے ایک دم ہی جوش مارا تھا۔ شکوے شکایتیں اس رویان پر موسم میں کہیں چھپ گئے تھے۔ منہ کھول کر تیز ہوتی بوندوں کو حلق میں جذب کرتی ہوئی مسکان پر پہلے کی طرح ٹوٹ کر پڑا آیا تھا۔ اس کے دھبہ چہرے پر دھیمی مسکراہٹ پھیل گئی چند لمحے اسے دیکھنے کے بعد لاٹک ڈرا آیا اور ڈرنک پر وگرام بنا تا وہ اندر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

”تمہارا بالما نہیں اسٹوپڈ! بالی ہوگی غلط کار ہے ہو تمہیں اس طرح گانا چاہیے۔ آئے موسم رنگیلے سہانے چائیں مانے تو چھٹی لے کر آ جا بالی۔“ مسکان نے فوراً جھجکی تھی۔

”میں اپنے لیے نہیں بلکہ تمہارے لیے گارہا تھا میری بالی تو میرے قریب ہی ہے۔“ احسن نے سامنے جھولا جھولی عیسرہ کو دیکھ کر شوخی سے کہا۔

”ارے کہاں ہے آپ کی بالی میں تو نظر نہیں آرہی پلیز بتائیں ناں کہاں ہے تاکہ ہم بھی ان کا دیدار کر کے ثواب دار بن حاصل کریں۔“ احمد از حد پر اشتیاق لہجے میں بے تابی سے گویا ہوا تھا۔

”تمہاری قریب کی نظر خراب ہے خاک نظر آئے گی۔“ احسن احمد کو گھور کر بولا۔

”اور تمہاری تو نظر ہی نہیں بلکہ نیت بھی خراب ہے۔ خبردار جو ایسی دسی نظر ڈالی اس پر۔“ مسکان آنکھیں نکال کر گویا ہوئی۔

”اوہ! یعنی محبت کرنا نظر کی خرابی نیت کا فتور کہلاتا ہے تو ڈیر بلینڈ یو آپ کے اس بلاسٹڈ بھلو نے پہلے یہ جراثیم پھیلائے ہیں۔ تم پر نظریں اور نیت خراب کر کے اسے کچھ کہنے کے بجائے جھٹ اس کی بن گئیں اور مجھے فضول رعب دکھا رہی ہو۔“

”احسن! تمہیں کتنی بار کہا ہے احمد کو بدتمیزی سے مت پکارا کرو۔ اگر انہیں معلوم ہو گیا تو تمہارا حشر کریں گے۔“ وہ تنک کر گویا ہوئی۔

”اوہ گاڈ! انہیں۔“ اس نے مسکان کے انداز میں کہا

اور پھر استہزائیہ انداز میں ہنسنے لگا۔ ”ارے کیا حشر بگاڑے گا میرا وہ سال۔“

”وہاٹ..... وہاٹ سال؟ شرم نہیں آتی تمہیں اتنی بے ہودہ زبان بولتے ہوئے۔“ حسب عادت وہ بھرپور طیش میں آگئی تھی۔

”سالے کو سال نہیں تو با کہاں گا۔“ احسن بھلا کہاں رعب میں آنے والا تھا۔ ”ہماری تو برابری ہے وہ میرا سال میں اس کا سال۔“

”احسن بھائی! کیوں آپ میری بھائی کو تنگ کر رہے ہیں؟“ عیسرہ جو کافی دیر سے انہیں لڑنے بھگڑتے دیکھ رہی تھی جھولے سے اتر آئی تھی۔

”تم مجھے بھائی کب تک کہتی رہو گی؟“ ”ساری زندگی۔“ جتنی فطری سے سوال کیا گیا تھا اتنی سادگی سے جواب ملا تھا۔

”لا حول ولا قوۃ للذی! اب تم بڑی ہو گئی ہو اور یہ بھائی وائی کہنا چھوڑ دو رنہ ساری زندگی بھائی کی دہلیز پر رہی بیٹھی رہو گی۔“

”توبہ بھئی احسن بھائی! نامعلوم آپ کیسی باتیں کرتے ہیں مجھے سمجھ نہیں آتی۔“ عیسرہ شانے اچکائی ہوئی اندر بڑھ گئی۔ احمد بھی سنی خیزی سے مسکراتا ہوا اندر کی جانب بڑھنے لگا تھا۔

”اوبی بھالو کے مردانے ماڈل! اپنا منہ بند رکھو کہیں سب کو تازہ ترین نوز الرٹ سناسنا کر متوجہ کر دے۔“ اس نے پھرتی سے آگے بڑھ کر احمد کو گدی سے پکڑ کر وارننگ دی تھی۔

”خدا کو حاضر ناظر جان کر جو کچھ بھی کہوں گا کچ کہوں گا کچ کہوں گا کچ کے سوا کچھ نہ کہوں گا۔“ وہ بھی اس کا بھائی تھا آسانی سے کیسے مان جاتا۔

”اچھا بھئی! استاد سے استادی یعنی میرا بلا مجھ ہی کو میاؤں یعنی یعنی یعنی..... یار مسکان تم ہی کوئی مثال بتاؤ مجھے یاد نہیں آرہی۔“

”کھسیانا بلا کھسیانو پئے تم پر بالکل سوٹ کرے گی۔“

مسکان ہنسنے ہوئے ہوئی۔ احمد نے تائیدی قبضہ لگایا تھا۔
 احسن اس کی گدی چھوڑ کر مسکان کے پیچھے بھاگا تھا۔
 بوندیں ہلکی بارش میں تبدیل ہو گئی تھیں۔
 ابر بڑھ گیا تھا۔ شمال کی جانب سے سیاہ گھٹور گھٹائیں
 خراماں خراماں چلی آ رہی تھیں۔ دوپہر کے وقت بھی رات
 کا گمان ہو رہا تھا۔ خوابناک اندھیرے کے باعث بلیک
 جینز گرے کی شرٹ میں انگلی میں کی رنگ گھماتا خاصے
 خوشگوار موڈ میں احمد لان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا
 مسکان کو لانگ ڈرائیو پر جانا اور چائیز فوڈز بے حد پسند
 ہے۔ وہ خاموشی سے تیار ہوا تھا۔ مٹی سے کہہ آیا تھا۔ اب
 اچانک اسے سر پرانز دینا چاہتا تھا تاکہ اس کے خوش
 رنگ چہرے کے مسرت سے مچلتے پھولوں کی دلکشی محسوس
 کر سکے۔ وہ آنے والے مسکور کن لحاظ کے تصور میں گم
 آگے بڑھتا جا رہا تھا کہ سامنے کا منظر دیکھ کر ایسے ٹھنک کر
 رکا تھا جیسے کوئی حسین خواب دیکھتے دیکھتے کوئی ڈراؤنا سینا
 نظر آ جائے۔ وہ جہاں تھا وہیں رک گیا۔ چہرے کی
 خوشگوار ناگواری میں بدلنے لگی۔ کشادہ پیشانی شکنوں
 سے پر ہونے لگی۔ کچھ ساعت قبل جن آنکھوں میں خوب
 صورت چمک تھی اب شعلے ناچ رہے تھے۔ ہونٹوں کا تبسم
 غائب ہو چکا تھا۔
 وہ دونوں بھاگ بھاگ کر تھک گئے تو لان میں
 آویزاں سنگ مرمر کی بیچ پر بیٹھ گئے۔ احمد موقع پاتے ہی
 اندر کھسک گیا تھا۔
 ”ہنسنا بند کرو اور اپنی اس کم عقل مند کو میرے جذباتوں
 کی زبان سمجھاؤ عجب اسٹوڈنٹ لڑکی ہے۔ جذباتوں کی آغ
 نگاہوں کا انداز محسوس ہی نہیں کرتی اپنے بھائی سے کچھ تو
 اسے سبق لینا چاہیے تھا جو عشق کی ڈگری حاصل کر چکا
 ہے۔“
 ”کیوں مت کرو اگر احد کو معلوم ہوا تو بہت برا ہو
 گا۔“ مسکان کی شوخی بھری تیز آواز اس کی غیرت پر طمانچہ
 بن کر گئی تھی۔
 ”کون بتائے گا اسے تم؟ مجھے معلوم ہے تم اتنی بے

وقوف نہیں ہو۔“
 ”بے وقوف میں ہوں جو سب کچھ اپنی آنکھوں سے
 دیکھنے کے باوجود اپنی محبت سے شکست کھا کر تمہیں اپنا یا
 جس کے تم قابل نہ تھیں۔“ اس کا خون رگوں میں لاواہن
 کر دوڑنے لگا۔ وہ دونوں سر جوڑے راز و نیاز میں
 مصروف تھے۔ اس کی آمد و حالات سے بے خبر جو مارے
 جنون کے خود پر ہشکل قابو پاتا اپنے کمرے میں آ گیا اور
 جوتوں سمیت بیڈ پر دراز ہو گیا۔
 بارش زور پکڑ چکی تھی اور ساتھ ہی خنکی بھی بڑھ گئی تھی۔
 باہر بارش ہو رہی تھی۔ اس کے اندر الاؤ بھڑک رہے
 تھے۔ باہر ٹھنڈک و سکون تھا۔ اسے ہر سو ٹھن و بے سکونی
 محسوس ہو رہی تھی۔ محسوسات بھی کتنے عجیب ہوتے
 ہیں۔ احساسات کے تعلق کی ہر ذرہ دل کے موسم سے
 مربوط ہوتی ہے۔ دل خوشی سے جھوم رہا ہو تو خزاؤں میں
 بھی موسم بہار کا گمان ہوتا ہے اور اگر اندر ادا سیوں و
 دشتوں نے ڈیرے ڈالے ہوں تو ایسے موسلا دھار
 برستے پانی بھی بھڑکتے شعلے لگنے لگتے ہیں۔
 ”مٹی! احد ابھی تک نہیں آئے۔ ان کے آفس کا نامم
 بھی ختم ہو چکا ہے باہر بارش میں بہت شدت آگئی ہے
 نامعلوم کہاں چلے گئے ہیں؟ میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔
 ان کا موبائل بھی آف ہے۔“ مسکان جو کافی دیر سے
 لباس تبدیل کر کے احد کا انتظار کر رہی تھی کنگی بار ٹرائی
 کرنے پر جب اس نے موبائل کال ریسیو نہ کی تو وہ گھبرا کر
 مٹی کے پاس آ کر گویا ہوئی۔
 ”کیا بات کر رہی ہو بیوہ احد تو آج دوپہر کو ہی آفس
 سے آ گیا تھا۔“ کہاب فرانی کرتی ہوئی مٹی تعجب سے گویا
 ہوئیں۔ ”اور مجھ سے کہہ گیا تھا کہ تمہیں لے کر لانگ
 ڈرائیو پر جا رہا ہے۔ رات کھانا کھا کر واپس آؤ گے اور تم
 کہہ رہی ہو احد آفس سے نہیں آیا۔“
 ”دوپہر کو آگئے تھے مگر کہاں ہیں؟ میں نے انہیں
 اندر آتے نہیں دیکھا۔“ نامعلوم دوسرے دگھبراہٹ اس پر
 سوار ہونے لگی۔

”بڑا گیٹ چوکیدار لاکڈ کر کے چلا گیا تھا۔ وہ پچھلے
 گیٹ سے کار اندر لایا تھا۔ رحمت بوا اسلاو بعد میں بنانا
 پہلے کہاب فرانی کر ڈیو میں دیکھ کر آؤں احد کہاں گیا ہے۔
 میرے سامنے تو تیار ہو کر کار کی چابی لے کر گیا ہے۔“ وہ
 رحمت بوا کو ہدایت دیتی ہوئی باہر نکل آئیں۔ پہلے پورٹیکو
 میں جھانکا وہاں اس کی کار کھڑی تھی جس کا مطلب تھا وہ
 گھر میں ہی تھا۔
 ”ارے تمہارے ہاتھ تو بہت سرد ہو رہے ہیں۔“ ان
 کے ہاتھ سے اس کا ہاتھ ٹکرایا تو وہ اس کا ہاتھ تھام کر متفکر
 انداز میں گویا ہوئیں۔
 ”وہ... وہ میں بارش میں کافی نہانی تھی شاید اس وجہ
 سے ہو رہے ہیں۔“ وہ انہیں مطمئن کرنے کے لیے مسکرا
 کر بولی ورنہ درحقیقت اس کا پورا جسم خوف سے سرد ہو رہا
 تھا۔ دھڑکنوں میں گویا خوف ہی جسنے لگی تھی۔
 ”تو گویا ایک گھنٹے قبل جب احسن اس سے بڑی راز
 داری سے عیسر کو پر پوز کر کے مشورے لے رہا تھا عین
 اس وقت اسے محسوس ہوا تھا مٹی باڑ کے پیچھے سے کوئی
 اسے کھور رہا ہے اس کا پیلا خیال احد کی طرف ہی گیا اور
 اس نے بوکھلا کر فوراً اس طرف آ کر دیکھا تھا مگر وہاں کوئی
 نہ تھا مگر اس کے اندر ایک اضطراب و بے چینی پھیل گئی تھی
 اور اسی گولگی حالت میں اس نے احسن کی بات بھی
 ڈھنگ سے نہ سنی تھی۔ اب اسے معلوم ہوا جسے اس نے
 داہمہ سمجھ کر رو کر دیا تھا وہ داہمہ نہیں حقیقت تھی اور ایسی تلخ
 حقیقت جس نے اس کے اوسان خطا کر کے پورے
 وجود میں سنسنی دوڑا دی تھی۔
 ”کیا ہو گا اب؟ اس شام انہوں نے کتنا بنگامہ کھڑا
 کیا تھا۔ اب نامعلوم کب سے وہ مجھ پر نگاہ رکھے ہوئے
 ہوں گے اور کیا سلوک کریں گے؟ احسن سے کیا پر خاش
 ہے سمجھ میں نہیں آتا۔“ وہ سوچتی جا رہی تھی سب طرف
 دیکھنے کے بعد بالآخر بیڈروم سے انچید لانگ روم میں وہ
 جوتوں سمیت بیڈ پر لیٹا ہوا ملا۔
 دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھے بالکل سیدھا ہے جس و

حرکت کسی مجسمے کی مانند سرخ انگارہ نگاہیں جھپٹ کر گھور
 رہی تھیں۔ بنا چلیں جھپٹکائے ان کی آمد پر بھی اس میں
 کوئی جنبش نہ ہوتی تھی۔
 ”یہ کیا طریقہ ہے بیٹا! مجھ سے کہہ دیا کہ مسکان کو
 لے کر ڈرائیو پر جا رہے ہو اور اسے کچھ بتائے بنا یہاں
 پڑے ہو۔ حد ہو گئی لا پرواہی و نامعقولیت کی بھی۔ اگر جانا
 نہیں تھا تو بتا دو سیتے کہ نہیں جانا۔ نیکی یہ سوچ سوچ کر
 ہلکان ہو رہی ہے کہ تم ابھی تک گھر ہی نہیں آئے۔“
 مسکان کی درگاہوں حالت انہیں طیش دلانے کے لیے کافی
 تھی جب کہ اس کا خوف و فکر سے برا حال تھا۔
 ”میرا موڈ نہیں ہے کہیں جانے کا۔“ وہ اسی طرح
 دراز گویا ہوا۔
 ”ہاں... ہاں میں جانتی ہوں تمہارا مزاج بدلنے
 دیر نہیں لگتی۔ خدا جانے کب تمہارا یہ پچھپنا رخصت ہو گا
 اب تم اس کیلئے نہیں ہو۔ بوی کی ذمہ داری ہے کل کو باپ
 بنو گے تو بھی ایسی ہی اوٹی ہوئی حرکتیں کرتے رہو گے۔“
 مٹی کی بات پر وہ بری طرح جھینپ گئی تھی۔
 وہ کچھ کہے بنا خاموشی سے اٹھ کر بیڈروم میں چلا گیا
 تھا۔ مٹی چلی گئی تھیں۔ وہ خاموشی سے بے قدموں بیڈروم
 میں چلی آئی جہاں وہ کمرے کے درمیان میں دونوں ہاتھ
 کمر کے دائیں بائیں رکھے شعلہ بار نگاہوں سے
 دروازے کی طرف کھور رہا تھا۔ وہ اندر داخل ہوئی سیدھی
 اس کی نگاہوں کی زد میں تھی۔
 ”تمہیں آخر میری ضروریات کا خیال کیوں نہیں
 رہتا؟ وارڈ روم میں ایک بھی شلوار سوٹ پر لیس کیا ہوا
 نہیں ہے۔ ون بھرا ایسے کپڑوں میں رہنے کے بعد رات
 بھی میں ان پینٹ کوٹ جینز شرٹ تھری پیس سوتس میں
 گزار دوں گا؟ آخر کب تم مجھے سمجھو گی؟ وہ خوش نصیب دن
 کب آئے گا جب اپنی ہر ضرورت کی چیز مجھے بن کے مل
 جائے گی؟ معمولی سے معمولی کاموں کے لیے تمہیں کینڈ
 ذہن بچنے کی مانند سمجھانا پڑتا ہے اور ہر بار تم بھول جاتی
 ہو۔“ تمہیں میں یاد ہی نہیں رہتا تو میری ضرورت خاک

باد رہے گی۔ سو جانتا ہوں ہی آجائے گی تو کم از کم می با عیبرہ کو ہر کام کے لیے پکارنا نہیں پڑے گا لیکن یہ خیال محض خیال ہی ثابت ہوا۔ مٹی کی ذمے داریاں کم ہونے کے بجائے بڑھ گئیں۔ مٹی کے ساتھ بہو کی ناز برداریاں بھی ان کے ذمے پڑ گئیں۔ تم اس قدر پھوڑ بد سلیقہ بے احساس و بد تمیز ہو گئی مجھے گمان بھی ہوتا تو تمہارے حصول پر ہزار بار لعنت بھیج کر بھی مڑ کر بھی نہ دیکھتا۔ یا ہر برستے بادلوں سے زیادہ گرج اس کے لہجے میں بھی وہ چہرہ جھکائے کوئی لفظ نکالے بغیر اس کی جلی کی باتیں سنتی رہی۔ وہ اسی طرح لمحے بھر میں آپ سے باہر ہو کر جو منسا آتا پو لے جاتا۔ وہ سہم کے مارے کوئی لفظ منہ سے نکال نہ پالی۔

”منہ بند کر کے کیا کھڑی ہو تاؤ کیا پہنوں؟ میرے سامنے بولتے ہوئے تمہاری زبان گھسی ہے۔ احسن سے باتیں کرتے وقت نان اشاپ زبان چلتی ہے۔ ہونہ نہ جانے ان دنوں کیا ہو گیا تھا مجھے جو جانتے بوجھتے یہ سب کیا جو مجھے نہیں کرنا چاہیے تھا بھلا مجھ سا بھی کوئی آحق بے وقوف ہو گا۔“ وہ پھٹکی پر کے مارتے ہوئے مسلسل چمکے پرچے کے نگار ہا تھا۔ مسکان نے وارڈ روب سے اسے دہانت شلوار سوٹ استری شدہ نکال کر دیا۔ اس حصے میں اس کے تمام شلوار سوٹ استری شدہ تہہ در تہہ رکھے تھے۔ احد نے وہ حصہ کھولا تھا جس میں پیٹنٹ جینز وغیرہ پٹنگ تھے۔

”مجھے کیا دے رہی ہو باتھ روم میں رکھ کر آؤ اتنی بھی تہذیب نہیں ہے تمہیں ایڈیٹ۔“ اس نے سوٹ پیش میں اچھا لایا تھا۔ تذلیل و تحقیر اہانت آمیز رویے نے اسے چور چور کڑا لایا تھا۔ وہ سوٹ اٹھا کر باتھ روم میں لے گئی۔

بارش اور اس کی آنکھیں ساری رات برستی رہیں۔ وہ شکوہ کس سے کرتی؟ شکایت اسے خود سے تھی۔

گدا اپنے دل سے تھا جس نے اسے دھوکا دیا تھا۔ وہ نہ معلوم کس ساعت کس لمحے احد کا ہو گیا تھا اور اسے اس واردات کا علم بہت عرصے بعد ہوا تھا۔

”کتنے اچھے کتنے بے فکری کے پر لطف دن تھے وہ میں بہر اہوں لوگ.....“

جب ان گھٹن زدہ بے کیف و خجروقت کی شروعات بھی نہ ہوئی تھیں۔ وہ کھڑکی میں کھڑی باہر برستی بارش دیکھ رہی تھی باہر بارش پورے جوش و خروش سے ہو رہی تھی۔ اتنی ہی شدت سے اس کی آنکھیں بھی چہرے کو جھگونی ہوئی مگر بیان کو بھگور ہی گئیں۔

بیڈ پر اس کی جانب پشت کے احد نیند کی گولیوں کے زیر اثر بے خبر سو رہا تھا۔ نیند میں بھی اس کے چہرے پر تاریک و بدگمانی کے تاثرات تھے۔ سیاہ بال اچھے اچھے تھے اس کا ذہن بھی اس کے بالوں کی طرح ماضی کی خوشگوار باتوں یادوں میں الجھا لہجہ گیا۔

☆ ☆

”ارے کہاں گیا؟ ابھی تو میں یہیں رکھ کر گئی تھی۔“ مسکان والٹ کا رنر پر رکھ کر سن گلاسز لینے کمرے میں گئی تھی۔ اب واپسی پر والٹ غائب تھا۔

”اگر جان کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں؟“ احمد مسکسی صورت بنا کر بولا۔

”فورا بکو۔“

”بکو؟ بدولت کی یہ عزت ہے آپ کی نگاہوں میں؟“

”نہیں اس سے کچھ بڑھ کر قل اس کے کہ میں سرید تمہاری عزت افزائی کروں شرافت سے بتاؤ میرا والٹ کس نے چرایا ہے؟“

”یہ وہی ہیں جن کا خاندانی پیشہ (اوہ خاندان میں تو میں بھی شامل ہوں) یعنی جن کا ذریعہ معاش ایسے ہی کاموں سے چلتا ہے سمجھ رہی ہیں نا آپ؟“

”احد! احسن کی بات کر رہے ہو تم؟“ وہ چیختی تھی۔

”یہ بتانے کے لیے آپ کو خرچہ کرنا پڑے گا۔“ احمد کا لہجہ اڑ کر گیا ہوا۔

”ابھی لگاؤں گی چار تھپڑ سارا خرچہ نکل جائے گا تمہارا۔“ وہ اسے ایک دھبہ رسید کرتی ہوئی احسن احسن چیختی اس کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

”یا وحشت لڑکی! اتنی زور زور سے چیخ رہی ہو جیسے میں بہر اہوں لوگ.....“

”منہ بند کر کے آنکھیں کھول کر کبھی تم ہی جانتا کہ کس طرح لڑا جاتا ہے۔“ احسن تنہا ہی ایک مجاز پر کئی کئی جملے پسپا کر سکتا تھا۔ اس کے جواب پر قہقہہ پڑا تھا۔

”تم سے تو بات کرنا ہی فضول ہے مسکان تم بتاؤ ہوا کیا ہے؟“

”اس سدا کے بے ایمان نے یہاں سے میرا والٹ اٹھا لیا ہے۔ اب اقرار کرنے کے بجائے جھوٹ بول بول کر اپنے گناہوں کی گھڑیاں بدھار رہا ہے۔ اللہ معاف کرے۔ تمہارے تو کرنا کاتین سے بائیں بازو والا ہے چارہ عاجز ہو چکا ہو گا بد اعمالیوں سے رجسٹر بھرتے بھرتے معاف کر دو اسے ترس کھاؤ اس کی حالت پر اور کچھ کام دانیں بازو والے لفرشتے کے لیے بھی انجام دو۔ تمہاری پیدائش سے اب تک فارغ بیٹھا بیٹھا بور ہو رہا ہو گا۔ خدا را کچھ نظر عنایت اس پر کر دو۔“

”اوہو! خود تو بڑی نیک بی بی ہوتا؟ چوتیس گھنٹے مصلے پر عبادت کرتی رہتی ہو۔“

”الحمد للہ صبح فجر میں سب کو میں ہی اٹھاتی ہوں۔“

”سب کو اٹھا کر خود سو جاتی ہو بنا نماز ادا کیے۔“ احسن رو برد بولا۔

”بھی نہیں زیادہ اسمارٹ بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا والٹ واپس کرو۔“ اسے موضوع سے ہٹتے دیکھ کر مسکان نے اس کا بازو پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔

”میں نے نہیں لیا۔ کیوں الزام لگا رہی ہو یا پھر کوئی گواہ پیش کرو جس نے مجھے والٹ چوری کرتے دیکھا ہو۔ اس کے علاوہ میں زائچہ نکالنا جانتا ہوں اگر زائچہ نکلو اتنا چاہو تو فیس ادا کر کے نکلو اگلی ہو لیکن اس کے لیے تمہیں چور کا نام اور چور کی والدہ کا نام بتانا ہو گا۔ تب بتا سکتا ہوں چوری کس نے کی۔“

”ابھی اپنے ناشوں سے تمہارے منہ پر ایسا زائچہ بتاؤں گی کہ ساری زندگی یاد رکھو گے قل اس کے کہ میرا بیانا صبر چھٹک پڑے والٹ دے دو۔“ احسن کو مسلسل خمرہ بن کرتے دیکھ کر اس کا پیانا صبر لبریز ہو ہی گیا تھا۔

”والٹ نکالو میرا جو تم نے کارنر سے اڑایا ہے۔“ وہ اس کی بات سن کر ان کی کمرے کے تیز لہجے میں بولی تھی۔

”وہ والٹ تھا یا تنگ؟“

”دیکھو شرافت سے میرا والٹ دے دو مجھے شایگ پر جانے کی دیر ہو رہی ہے۔“

”کیسا والٹ؟ کون سا والٹ؟ تم کیوں مجھ سے والٹ مانگ رہی ہو؟ اگر میرا والٹ مانگ رہی ہو تو سواری فریڈ! مینے کا آخر ہے سخت کڑکی کے دن ہیں۔ ادھار پر گزارا چل رہا ہے۔ بلکہ اب تو کوئی ادھار دینے کو بھی تیار نہیں ہے۔ دور سے دیکھ کر ہی لوگ رفو چکر ہو جاتے ہیں۔ میں تو خود تم سے ادھار پیسے مانگتے آ رہا تھا کہ تم یہ کیا لیتی ہوئی آ رہی ہو۔ آج ہی تو میں نے ایک دوست سے چھ مہرام ادھار مانگی تو کہنے لگا ادھار محبت کی پیچی ہے اور میں تمہیں ایسی پیچی نہیں دے سکتا جو ہماری محبت کو کاٹ کر رکھ دے اور ایک دروہری داستان سنو برگر نام برگر لینے گیا ادھار تو وہ بولا۔ ”نقد شوق سے ادھار اگلے چوک سے۔“ میں نے کہا بھائی اگلے چوک پر کوئی شاپ ہی نہیں ہے۔ تم ہی دے دو پیسے ملتے ہی ادھار چکا دوں گا تو وہ بولا۔ ”کل آجنا اور اس روز سے روز جاتا ہوں وہ کہتا ہے کل پھر کل جاتا ہوں وہ کہتا ہے کل آتا مجھے تو لگتا ہے اس کل کے انتظار میں کل زندگی گزر جائے گی اور وہ کل نہیں آئے گا۔“ احسن کی زبان پوری طرح رواں تھی۔

”میرا والٹ دے دو ورنہ میں تمہارا خون پی جاؤں گی۔“ وہ شدید غصے میں تھی۔

”خون آشام بلا تو شکل ہی سے لگتی ہو مگر میرا خون اتنا سستا نہیں ہے جو تم اتنی آسانی سے پی جاؤ گی۔“ ان دونوں میں زبردست جنگ چھڑ گئی تھی۔ وہ لڑتے جھگڑتے ہال روم میں آ گئے تھے جہاں الٹ کی آوازیں سن کر سب کزنز پارٹی جمع ہو گئی تھی گھر کے بڑے بے خبر تھے۔

”آخر ہوا کیا ہے کچھ معلوم بھی ہو لڑتے وقت تم دونوں منہ کھول دیتے ہو آنکھیں بند کر لیتے ہو۔“ منیبہ ان دونوں کے درمیان میں آ کر گویا ہوئی۔

وہ اسے مارنے کے لیے ایٹم بوم ڈال رہا تھا کہ اندر آتے ہوئے احمد نے برف کی گیس کو تھما کر والٹ کوٹ کی پاکٹ سے نکالتا ہوا اس کی جانب بڑھتے ہوئے بولا۔

”کول ڈاؤن کول ڈاؤن مسکان یہ لو اس میں سے شاپنگ کر آؤ۔“ ہزار ہزار کے کئی کرائے نوٹ اس کی جانب بڑھتا ہوا وہ اپنا سیت بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

”لے لو۔۔۔ کیا ہوا کیوں نہیں لے رہیں؟“ احمد نے اسے ہچکچاتے دیکھ کر اصرار کیا تھا سب کز تذبذب کا شکار مسکان کو دیکھتے یا احمد کے ہاتھ میں موجود نوٹوں کو جبکہ حسن بڑی لچائی نظروں سے نوٹوں کو دیکھ رہا تھا۔

”نہ۔۔۔ نہیں میں آپ سے کیوں لوں گی میرے والٹ میں بھی خاصی رقم تھی۔“

”اگر یہ کم ہیں تو اور دوں بلکہ اور لے لو۔۔۔ اس نے دوسری پاکٹ میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔ وہ ہاتھ اٹھا کر تیزی سے گویا ہوئی۔

”نو۔۔۔ نو۔۔۔ نو۔۔۔ نو احمد بھائی! بہت شکریہ۔ دراصل بات پیسوں کی نہیں ہے رقم تو میں پیایا ماما احمد بھائی سے بھی لے سکتی ہوں کوئی مسئلہ نہیں ہے بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ادھر رکھا ہوا والٹ غائب کہاں ہوا۔ اگر اسی طرح سے گھر میں سے چیزیں غائب ہونے لگیں تو کتنی پریشانی ہوگی کتنے غیر محفوظ ہو جائیں گے ہم لوگ۔“

احمد کی نگاہوں میں کچھ ایسے ہی ناراض و برہم سے تاثرات تھے کہ نوٹ واپس جیب میں منتقل ہونے تک اسے لمبی چوڑی وضاحت دینی پڑی تھی۔ ایک جھٹکے سے اس نے نوٹ جیب میں ٹھونسنے تھے اور تیز تیز قدم اٹھاتا وہاں سے فوراً ہی چلا گیا تھا۔ مسکان نے سکھ کی سانس لی تھی۔

”نا شکریہ ہونے کے ساتھ ساتھ از حد بے احساس بھی ہو کتنے خلوص سے روپے دے رہا تھا لے لیتیں۔ دل تو راتا تو کوئی تم سے کبھی کہیں مقابلہ پارٹ بریک ہو تو تم فرسٹ پرائز لے کر آؤ گی۔“ حسن نے گھر کا تھا۔

”اگر کبھی کہیں مقابلہ جھوٹ و چوری ہو تم فرسٹ پرائز لے کر آؤ گے۔“ مسکان کے جواب پر سب ہی ہلکھلا کر ہنس پڑے تھے۔ حسن کو سخت طیش آ گیا۔

”مجھ پر جھوٹا الزام مت لگاؤ ورنہ بری طرح پیش آؤں گا لومڑی بیگم۔“

”مجھے لومڑی کہا؟۔۔۔ تم خود ہو گے گیدڑ مگر مجھے کن کھجورے لال بیگ۔“

”کیا ہو رہا ہے بچو؟ کیوں اتنا شور و ہنگامہ مچا رکھا ہے۔“ اظہار چچا نے اندازاً تے ہوئے دریافت کیا تو باپ کو دیکھ کر حسن نے جلدی سے بات بتائی۔

”کچھ نہیں ڈیڈی! وہ مسکان پر کا کروچ چڑھ گیا تھا اور اس نے شور مچانا شروع کر دیا۔“ اس کے لب و لہجے چہرے کے تاثرات سے معمولی سے بھی جھوٹ کا شائبہ تک نہ تھا۔ چچا مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

”دیکھا۔۔۔ دیکھا اس جھوٹوں کے سردار کو کتنی صفائی سے جھوٹ بولتا ہے۔ اب بھی تم لوگ یقین نہیں کرو گے کہ میرا والٹ اسی جھوٹے نے چرایا ہے۔“ مسکان کو اپنی سچائی کا ثبوت بھی فوری ہی مل گیا وہ پرجوش انداز میں بولی تھی۔

”پلیز حسن! مذاق ختم کرو اب بتا دو مسکان کا پرس کہاں ہے؟“ چھوٹے چچا کے شامل نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر درخواست کی۔

”میری قسم میرے ہونے والے پوچھنوں، چکی، چکی کی قسم میں نے چرایا نہیں ہے۔“

”لو بھئی! یہ بھی خوب رہی بچوں کے نام بھی سوچ لے اور تعداد بھی۔ چلو لگے ہاتھوں یہ بھی بتا دو ہماری بھابی کا نام کیا ہے؟“ منیر ہنس کر استفسار کر بیٹھا۔

”پہلے میرا والٹ بتاؤ پھر کچھ بتانا۔“ مسکان اڑ گئی۔

”جہنم میں میری قسموں پر بھی اعتبار نہیں آیا حیرت ہے۔“

”جیسے تم ویسی تمہاری قسمیں۔ مرتے دم تک مجھے یقین نہیں آئے گا۔“ مسکان زچ گئی۔

”کتنی رقم تھی اس میں؟ اب تو یہ ٹاپک بور کرنے لگا ہے۔“

”پورے پورے پندرہ ہزار نو سو نانوے۔“ منیر ہ کے استفسار پر اسے بتانا پڑا۔

”یا اللہ! اتنا بڑا جھوٹ۔۔۔ کس قدر جھوٹی ہو تم۔۔۔ مجھے کہہ رہی ہو چور؟ اور تم خود کیا ہو چورنیوں کی سرداری۔“ حسن تڑپ کر بول اٹھا۔

”اچھا۔۔۔ تم ہی بتاؤ کتنے تھے؟“

”پانچ ہزار سات سو ستر روپے۔“

”ہا۔۔۔ ہا۔۔۔ تم نے والٹ لیا ہی نہیں تو تمہیں کس طرح معلوم ہوا کہ اس کے پرس میں کتنی رقم تھی؟“ سب مشترکہ قہقہہ لگا کر بولے اور اسے اپنی جلد بازی یا جذباتیت کا احساس ہوا تو سر ہٹا کر صوفے پر گر گیا۔

”مسکان آئیں چڑھائی ہوئی صوفے کی جانب بڑھی۔“

”ہاں۔۔۔ ہاں بولو بولو والٹ کہاں ہے میرا؟“

”مسکان اڑ کر بولی۔“

”کارنر پر رکھا گلا ہٹاؤ اس کے نیچے ہے۔“ اب وہ شرافت سے گویا ہوا۔

”اب بھی بتانا۔۔۔ پہلے بتا دیتے تو اتنی دیر کیوں تو نہ کرنی ہوتی۔“ مسکان گلے کے نیچے سے والٹ نکال کر چیک کرتے ہوئے گویا ہوئی۔

”پھر لوگوں کو معلوم کس طرح ہوتا۔“

”کیا۔۔۔؟“

”یہی کہ تم جھوٹی ہو جھوٹوں کی ملکہ ہو۔“

”جی نہیں۔۔۔ میں جھوٹی نہیں ہوں۔ ابھی جو جھوٹ بولا ہے مجبوراً بولا ہے کیوں کہ میرے ساتھ ساتھ ان لوگوں کا بھی وقت ضائع ہو رہا تھا۔“

”واہ بھئی! واہ گناہ بھی کرو پھر گناہ کو تسلیم بھی نہ کرو۔“

”نیتوں کا حال رب خوب جاننے والا ہے اس لیے آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔“ وہ والٹ پرس میں ڈالتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

☆☆☆

گھر میں احمد بھائی کی شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے تھے۔ شادی سے چھتے بھر پہلے ہی دور دراز علاقوں میں قیام پذیر مہمانوں رشتے داروں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ چند روز پہلے قریبی رشتہ دار بھی آ چکے تھے۔ خوب گہما گہما بھی شور و ہنگامہ ہمہ وقت ہی رہتا سب بہت خوش تھے۔ خاندان کی یہ دوسری شادی تھی۔ پہلی شادی بڑے چچا کے پہلے بیٹے احمد کے بڑے بھائی اسفند کی تھی جو شادی کے بعد تھائی لینڈ شفٹ ہو گئے تھے۔ اب احمد کی شادی میں شرکت کرنے سے انہوں نے معذرت کر لی تھی کیوں کہ وہ جس کمپنی میں بطور انچارج انجینئر کام کر رہے تھے ان سے معاہدے کی رو سے پانچ سال یا تین سال قبل وطن نہیں آ سکتے۔ ان کی اور ان کی سسر کی غیر موجودگی کو سب نے ہی محسوس کیا۔

”میں اس لیے ملک سے باہر جا کر ملازمت کرنے کو ناپسند کرتا ہوں۔ مادی چیزوں کے حصول کی خاطر انسان اپنوں کی خوشیوں و دکھوں کو بھی شیر نہیں کر سکتا۔“

”اسفند اچھی مرضی سے نہیں گیا۔ اس کی بہتر کارکردگی سے متاثر ہو کر اس کو کمپنی کی طرف سے ہی بھیجا گیا ہے۔ یہ قابل فخر مقام ہے ہمارے لیے میری شادی میں نہ سہی تمہاری شادی میں ضرور شرکت کرے گا تو سب گلے شکوے مٹ جائیں گے۔“ احمد بھائی نے اس کی کمر چھپاتے ہوئے کہا تو وہ بھی مسکرا دیا۔

احمد اور مسکان دو بہن بھائی تھے سو اکلوتے بھائی کی شادی کی خوشی اسے حد سے سوا بھی ہر کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھی۔ شادی اور ویسے کے سوس اس کی پسند کے آئے تھے۔ مسکان سب سے بہت اصرار کیا تھا کہ حمیرا اپنی پسند کے سوس کی خریداری کے لیے ان کے ہمراہ جائے مگر شرمیلی سی حمیرا نے اپنی پسند کی ڈے داری مسکان پر ڈال دی تھی۔ اس کی چوٹیں شروع سے ہی لا جواب تھیں۔ شادی کے دن کے لیے اس نے پنک ٹکڑ کا سوٹ پسند کیا تھا جس پر بہت دیدہ زیب و جگمگاتا ہوا کام تھا۔ ویسے کے لیے لہنگا منتخب کیا تھا سرنج بونگ

تھیں۔
”قبل اس کے کہ ہم تمہارا حلیہ بگاڑ دیں یہاں سے نو دو گیارہ ہو جاؤ۔“ وہ سب مل کر بولیں تو اسے وہاں سے بھاگنا ہی پڑا تھا۔

”یادداشت! اندھے ہو گئے ہو کیا تم؟“ وہ دروازے سے نکل رہا تھا مسکان اندر داخل ہو رہی تھی نتیجتاً زبردست ٹکراہٹ ہوئی تھی۔

”سوری مادام! میں جان بوجھ کر نہیں ٹکرایا بلکہ آپ کے حسن کی چکاچوند نے میری آنکھیں خیرہ کر دی تھیں ایسی حالت میں کہاں کچھ نظر آتا ہے۔ آپ تھانہ ہوں اور اگر نہ مانے میں تو اپنا تعارف کروانا پسند کریں گی۔“ وہ بالکل اس طرح ہی رہا تھا گویا پہلی بار اسے دیکھ رہا ہو۔
”یہ اور ایک تنگ کسی اور کے سامنے کرنا سمجھے ہوں میرے راستے سے۔“

”اوہ! یہ تم ہی ہو مسکان بی بی! منہ کھولتے ہی اصلیت ظاہر ہو گئی۔ سچ زبان کی بد صورتی چہرے کی خوب صورتی کو بھی زائل کر ڈالتی ہے بالکل اسی طرح جس طرح ابھی چند لمحے قبل تم اتنی خوب صورت نظر آ رہی تھیں مگر زبان نے ظاہر کر دیا کہ تم وہی بد مزاج بد صورت بد عقل کزن ہو جس کو ہر لمحہ مجھے بھگتنا ہوتا ہے۔“ اس کی زبان رواں تھی۔

”تمہاری زبان کی خارش دن بدن بڑھتی ہی جا رہی ہے علاج کیوں نہیں کرواتے؟“

”وہاں تو لینے آیا ہوں تمہارے پاس۔“
”سوری میں یا نگوں کی ڈاکٹر نہیں ہوں۔“
”بد عقلوں کی تو ہو۔۔۔۔۔ اپنی دے یہ بحث کا نام نہیں ہے۔ فٹ چائے بنا کر دو وہاں سب چائے کے لیے۔۔۔۔۔“

”سوری سوری سوری۔ میرے پاس بالکل بھی وقت نہیں ہے چائے دے کے لیے کسی اور کے پاس جاؤ۔ میں ابھی تیار ہوئی ہوں میرا فیس خراب ہو جائے گا۔“ اس نے شانے اچکا کر تیزی سے آگے بڑھنا چاہا تھا۔

اور اس کے پلان کی کامیابی کا آغاز ہو چکا تھا۔

”چچا جان! اچانے۔۔۔۔۔“

”اتنی گرم گرم چائے پینے کی ضرورت ہی کیا ہے؟“ قبل اس کے کہ وہ اس کی پول کھولتا جھٹ مسکان معصومیت سے بولی جبکہ اس کی مسکراتی آنکھیں کہہ رہی تھیں ”دیکھا سچو کیسا بدلہ لیا“ جواباً اس نے بھی آنکھوں کی زبان میں دھمکی دی کہ وہ ”چھوڑے گا نہیں۔“

”چائے تو بہت مزے دار بنائی ہے ہماری بیٹی نے۔“ چھوٹے چچا اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر شفقت سے گویا ہوئے تو سب نے ہی تائید کی تھی جبکہ وہ بڑے مزے سے چائے پینے کے دوران احسن کے چہرے پر پھینے والے بے بسی بے چارگی اور مجبوری کے دلنشین نظارے دیکھتی رہی ہر گھونٹ پر اس کی شکل دیکھنے والی ہوتی تھی۔ عام طور پر وہ اسی چائے پینا تو درکنار دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا۔ مگر اب مجبوراً چچا جان کی وجہ سے پینے پر مجبور تھا۔ اس کے فرار کے تمام راستے وہ مسدود کر کے بیٹھی تھی۔

”اب اپنی خیر متاؤ تم۔“ وہ مگ سمیٹ رہی تھی جب وہ خونخوار لہجے میں سرگوشی کر کے گیا تھا۔

یارات بہت دھوم دھام سے وقت پر میرج گارڈن پہنچی تھی۔ پھولوں سے اُن کا استقبال کیا تھا۔ حمیرا بھابی دلہن بن کر بے حد حسین لگ رہی تھیں۔ احمر بھائی پر بھی از حد کھرا آیا تھا اُن کی شان دار جوڑی کو سب نے سراہا تھا۔

بے پناہ خوشیوں کے جھوم میں سب کی طرح وہ بھی مست تھی اُس دوران پوری تقریب میں لاشعوری طور پر کسی کی بھرپور نگاہوں کی پیش وہ خود پر محسوس کرتی رہی تھی۔ مایوں مہندی بارات رقصی ہر وقت نگاہوں کا حصار اس پر رہا تھا اور بے ساختہ دیکھنے پر ہر بار احد کو ہی متوجہ پا کر اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگتا اور وہ از حد سوچنے کے باوجود نہ سمجھ سکتی کہ اس کا اس طرح دیکھنے کا مقصد کیا ہے۔ احسن سے وہ چھپتی رہی تھی جہاں وہ اس

کی جانب بڑھتا وہ تیزی سے کسی اور طرف ہو جاتی وہ اسے ٹھور کر رہ جاتا۔ وہ جانتی تھی اُس نے دھمکی دی ہے اور جب تک اسے ملے گی جامہ نہ پہناتے اُسے سکون و قرار نہ ملے گا۔

گھر میں دلہن آچکی تھی۔ اُن کے ساتھ مختلف رسمیں ادا کی جا رہی تھیں وہ جو فیروز می ویلو لینگے سوٹ میں ملبوس جس پر بھاری کام تھا سے گھبرا کر سوٹ چینج کر کے کمرے سے نکل ہی رہی تھی کہ دور سے آتے احسن کو دیکھ کر خطرے کی بو اس نے سونگھ لی تھی۔ اس نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا راہداری دور تک سونی پڑی تھی۔ لان میں بھی کوئی نہ تھا تمام لوگ ہال روم میں دلہن کے گرد جمع تھے۔ کوئی اُس کی مدد کو نہ تھا اُس کی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے؟ کہاں جائے؟ وہ متوحش کھڑی تھی۔

”چھو۔۔۔۔۔ کہاں تک چھپ سکتی ہو۔ کیا سمجھ رہی تھیں میرا شہر کر کے بچ جاؤ گی؟“ احسن مسکراتا ہوا مخاطب ہوا تھا اور تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔

”مقابلہ برابر ہوا ہے تم نے زبردستی چائے بنوائی میں نے زبردستی چائے پلوائی۔ اب تم کس بات کا بدلہ لو گے؟ اور تم دوست بھی تو ہیں دوستوں میں ایسا چلتا رہتا ہے۔“ اس نے فوراً ہی پسپائی اختیار کر کے دوستانہ رویہ اپنایا۔

”مقابلہ برابر ہوا ہے بدلہ برابر نہیں ہوا اور میں دوستی کا لحاظ رکھ کر ہی صرف تمہاری یہ چوٹی بڑے اُکھیروں کا اور کچھ نہیں کہوں گا۔“

”آہ۔۔۔۔۔ دیکھو میرے بالوں کو ہاتھ مت لگانا۔“ وہ پیچھے ہوتی ہوئی چیخی۔

”اوہ۔۔۔۔۔ اپنے بال تمہیں اتنے عزیز اور میرے حلق کا جو تم نے بیڑہ غرق کیا وہ کیا؟“ اس نے بھاگتی ہوئی مسکان کی چوٹی پکڑ لی تھی درد سے اس کی چیخ نکل گئی۔ اوپر سے اترتا ہوا احد تیز تیز قدموں سے اُن کی جانب بڑھا تھا۔

”کیا ہو رہا ہے؟“ اُس کے لہجے میں سخت ناگواری و

نا پسندیدگی تھی۔
 "پلیز احمد بھائی! اس جنگلی رینگھ سے بچائیں مجھے پلیز۔" وہ بے ساختہ مدد کے لیے اسے پکار رہی تھی۔ وہ آگے بڑھا تھا اور اس کا ہاتھ جھٹک کر مکان کی چھیا آزاد کرانی۔ وہ لپک کر اس کے پیچھے ہو گئی۔

"یار اتم درمیان میں نہ بولو تو ہی اچھا ہے۔ تم احمر بھائی کے ساتھ بیوی سیلون گئے ہوئے تھے جب اس نے مجھے چائے میں نمک ڈال کر ایسی خطرناک چائے پلائی تھی کہ میرے حلق میں ابھی تک خراشیں پڑی ہیں۔ معدہ زخمی ہو گیا اور آنتیں درد سے بلبلارہی ہیں۔ کچھ کھایا ہی نہیں جا رہا مجھ سے اب جب تک میں انتقام نہیں لے لیتا سکون سے نہیں رہ سکتا۔" اس نے احمد کو آگے سے بٹانا چاہا۔

"نہیں نہیں احمد بھائی! آپ نہیں کھڑے رہیں۔" وہ اس کی پشت سے لگ گئی۔ اپنی شرارت اسے بری لگ رہی تھی۔ احسن کس قدر ڈھیت ہے وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ اپنا کہا ضرور پورا کرے گا خواہ چوٹی جڑ سے علیحدہ نہ کرے مگر زچ کرنے کا انداز ہی اذیت ناک ہوتا تھا۔ انی الوقت یہ پناہ گاہ ہی محفوظ ترین تھی۔

وہ ہاتھ اس کے بازوؤں پر رکھے چہرہ شانے پر نکائے بے حد نزدیک کھڑی تھی اور اس کے نرم گرم پر حرارت وجود کے لمس سے احمد کے حواس سنسان تھے تھے۔ ایک لمحے میں اس کے اندر تلاطم برپا ہوا تھا۔ رگ و پے میں ایک سرد تر کھینکے لگا تھا۔ عجیب سرشاری یہاں سے وہاں تک پھیلتی چلی گئی۔ اس کی آنکھوں کو رنگ مل گئے تھے جذبول کی شوریدہ سری انگ انگ میں پھیلتی چلی گئی اور دل ہٹ دھری سے فیصلہ صادر کر چکا تھا کہ "صرف تم"

کسی اور کے لیے دروازہ دل ہمیشہ کے لیے مقفل ہو چکا تھا۔ دل کے فیصلے سے وہ بھی متفق تھا۔ بہت سے دوسروں کے باوجود فیصلے اہم ہوں تو کرنے میں وقت لیتے ہیں لیکن بعض اوقات زندگی کے ایسے اہم ترین فیصلے لمحوں میں ہو جاتے ہیں اور تاحیات نہیں بدلتے ایسا ہی

مقبوط فیصلہ اس وقت ہوا تھا وہ اس کی دلی کیفیت و جذباتی چپقلش سے بے خبر پیچھے شانے سے چہرہ نکائے کھڑی تھی۔
 "اؤکے اس کی جانب سے میں معافی مانگ رہا ہوں سواری۔"
 "سواری تمہارے سواری کرنے سے میری تکلیف ختم نہیں ہوتی۔"
 "معاف کر دو نا پلیز آئندہ ایسا نہیں کروں گی۔" ہال روم سے خوب قہقہوں کی آوازیں آرہی تھیں جہاں نہ معلوم کون کون سی رئیس و بہن کے ساتھ ادا کی جا رہی تھیں جس کو دیکھنے کے لیے اس کی طبیعت مچلنے لگی تھی۔ سو وہاں جانے کی جلدی میں وہ خود بول اٹھی تھی مگر جواباً وہ انکار کر رہا تھا۔

"آؤ میرے ساتھ۔" وہ آہستگی سے اسے خود سے علیحدہ کر کے ہاتھ پکڑتے ہوئے ہال روم کی طرف بڑھ گیا۔ احسن نے حیرانی سے احمد کا رویہ دیکھا تھا پھر کچھ سوچ کر اس کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ بھی اسی طرف بڑھ گیا۔

وہ اس کے ایک ہفتے بعد احمر اپنی دہلی کو لے کر رہی مومن کے لیے ہنرہ ٹلگت کالام وغیرہ روانہ ہو گیا اور گہما گہمیوں کی جگہ سکوت چھا گیا تھا۔
 ☆ ☆ ☆
 وقت تیزی سے آگے بڑھتا چلا گیا بدلتے وقت کے ساتھ بہت ساری تبدیلیاں ناگزیر تھیں۔ احمر کا دوبارہ کے سلسلے میں باہر شفٹ ہو گیا تھا۔ احمد نے اپنے پاپا کی خواہش پر ان کی برنس میں شمولیت اختیار کر لی تھی۔ احمد کی پوشنگ ہری پور سے آگے جھکے جنگلات میں بطور فاریسٹ آفیسر ہوئی تو وہ وہاں چلا گیا۔

گھر میں ہر سمت ہی سنائوں نے ڈیرے ڈال لیے تھے۔ احسن کے جانے سے گھر کے درودوار بھی آداس و خاموش ہو گئے تھے۔ اس کی ذات کو یار و یقیں و شوخیاں اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ ہر سمت نہ ہول سناتا تھا۔ وہ سب

ساتھ تھے بولتے باتیں کرتے تھے لیکن یکنخت ہی لفظوں پر سنجیدگی و بردباری کی برف سی جم گئی تھی۔ احسن کی شوخیاں شرارتیں جھٹکے نما باتیں ان سب کو سننے پر مجبور کر دیا کرتی تھیں۔ خصوصاً ان سب میں اس کی حالت بہت مخدوش تھی۔ وہ ایک لمحے کو بھی ایسے بھلا نہ پاتی تھی اور اکثر اُسے یاد کر کے بے اختیار رو پڑتی تھی۔

ان دنوں اس کی کیفیت عجیب تھی۔ کھوئی کھوئی روئی روئی آداس و بے قرار آجاڑ ویران گھنٹوں لان کی میڑھیوں پر بیٹھی ارد گرد سے بے خبر احسن کی فریم شدہ تصویر ہاتھوں میں لیے گھورتی۔ کبھی ہونٹوں پر دلفریب مسکراہٹ ہوتی تو کبھی کنول نما آنکھوں سے اشک قطرہ قطرہ رخساروں پر بہتے رہتے اس دوران وہ اپنے شغل میں اتنی محو ہوتی کہ اسے کسی کی پروا کوئی ہوش نہ ہوتا تھا۔

بے منتظر ایک بار نہیں اتفاقاً کئی بار احمد نے دیکھا تھا اور اس کے اندر اذیت ناک کرب بھٹکتا جاتا۔ وہ اپنی ہی آگ میں جھسم ہونے لگتا۔ عجیب کیفیت تھی اس کی بھی جہاں ایک خوب صورت جذبہ دل کی زمین میں جڑیں پھیلا رہا تھا وہیں بدگمانی و شک کا بیج بھی نمو پا گیا تھا جہاں چھوٹی چھوٹی بے معنی باتوں سے دوسرے طرز کے مطلب اخذ کر کے خوب پنپ رہا تھا۔ بلا کی غلط فہمی و بے اعتباری اس میں سما گئی تھی۔ مکان جتنی رگ و جال سے قریب تر لگتی تھی دوسرے مل ہی شک کا زہر اُسے اتنا ہی دور کر دیا کرتا تھا۔ عجیب متضاد احساسات و جذبات کا شکار رہنے لگا تھا۔ اسے کھونا زندگی کھونے کے مترادف تھا اور پانا بھی بے سکونی کی علامت بن گیا تھا۔

اس کی یہ کشمکش مما سے چھپی نہ رہ سکی تھی اُسے بھی فیصلہ سننے کی جلدی تھی سو انہیں وہ اپنی خواہش بتا بیٹھا تھا اور آنا فائدہ اُس کے نام سے منسوب ہو چکی تھی۔ وہ حیران تھا اور کئی دنوں تک اُسے یقین پر بھی خواب کا ہی گماں رہا تھا۔ شعوری طور پر کوئی خوف تھا جو اُسے پُر یقین ہونے سے روکے رکھتا اور اسی شش و پنج میں مکان نے آ کر اس کی زندگی میں حقیقت کے رنگ بھر دیئے تھے۔ وہ

بہت خوش تھا جسے چاہا اسے پالیا تھا اس سے بڑھ کر خوش نصیبی بھلا کیا ہو سکتی تھی۔

گزری ہر بات و بہن کی سلیٹ سے صاف ہو چکی تھی۔ مکان کی سنگت میں زندگی اپنے پورے حسن کے ساتھ سامنے آئی تھی اس کی چائیں عروج پر تھیں کہ۔۔۔ کچھ ہفتے بہت خوش گوار اور حسین گزرتے تھے کہ ایک روز باتوں کے دوران ایک ایک اسے احسن یاد آ گیا اور پھر اس کی زبان پر احسن کی ہی باتیں تھیں۔ اس کی شرارتوں کے قصے شوخیوں کی کہانیاں وہ جو سب کچھ بھلا کر اسے پانے کی خوشی میں کم تھا کہ اس کے اندر کا شک بے دار ہو گیا۔ اس کی بے اعتباری و غیر یقینی پھر وجود پا چکی تھی۔ وہ مرد تھا کس طرح اس کے منہ سے دوسرے مرد کی تعریفیں سن سکتا تھا پہلے پہل اس نے درگزر کرنے کی کوشش کی نظر انداز کیا مگر مکان کی سادگی تھی یا نا تھی جو وہ مرد کی فطرت کو نہ بھتی تھی کہ اس کی زہ جیت میں آنے کے باوجود احسن کے متعلق گفتگو کرتی تھی اور وہ ہر بار یہی انتظار کرتا رہ جاتا کہ وہ بھی تو کبھی اس کی گفتگو کا حصہ بنے۔ کبھی تو وہ اس کے متعلق بھی اسی طرح پیار سے گفتگو کرے۔ وہ بھی تو احسن کی طرح اس گھر میں رہتا تھا احسن کی طرح اس کا بھی کزن کا رشتہ تھا مگر نہیں۔ شاید کزن کے علاوہ بھی ان کا کوئی رشتہ تھا ایسا انٹوٹ و حسین رشتہ جو وہ اتنا دور ہونے کے باوجود بھی اس کے اندر موجود رہتا تھا۔ وہ تو کہیں بھی نہیں تھا نہ اُس کی سوچوں میں نہ خیالوں میں نہ ہی دل میں وہ اس سے اتنا قریب ہوتے ہوئے بھی اتنا ہی دور تھا۔ یہ خیال اُسے ڈسٹرب رکھنے لگا وہ تندہی و غصے کا شکار رہنے لگا۔

ساری محبت و جذبات ٹھنڈے مڑنے لگے تھے۔ احسن سے اسے شدید ترین نفرت ہو چکی تھی۔ شکل دیکھنے کو مکان کی دل نہ چاہتا تھا لیکن اس کی غیر موجودگی ایک لمحہ گوارا نہ تھی۔ اس کی موجودگی ادنیٰ تقویت کا باعث بھی تھی۔ باہر بارش کی رزم جھم جھم جاری تھی وہ دونوں ایک دوسرے سے خفا تھا جاگ رہے تھے اور وہ آنکھیں بند کیے اس کی

سکیناں سن رہا تھا۔ اس کے دلکش چہرے پر پھلتے آنسو دیکھ رہا تھا لیکن دل پر بدگنی کے بادل اتنے گہرے چھائے تھے کہ سچ سچ سو گیا۔

☆☆☆

”درخت دھرتی کا حسن ہیں زمین کا زیور ہیں اور ماحول کو حسن و درعتی بھی عطا کرتے ہیں لیکن جس سنگ دلی و عاقبت نااندیشی سے اس خزانے کو مفاد پرست ذاتی اغراض کے لیے استعمال کر کے ضائع کر رہے ہیں وہ سنگین خطرات ہی کا باعث نہیں بلکہ ناقابل معافی جرم ہے۔ جس قدر تیزی سے درختوں کی کٹائی ہو رہی ہے اتنی تیزی سے زمین میں پھیلنے والی نت نئی و مہلک بیماریاں بھی عام ہو رہی ہیں۔ جس طرح صدیوں پہلے موجود جانوروں کی تصویروں سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ کبھی یہ زندہ تھے اور اسی دنیا میں موجود تھے اسی طرح ہم سے بعد آنے والی نسلیں بھی شاید ہماری طرح ہی تصویروں میں اپنے لوگوں کو دکھایا کریں گے کہ عرصہ قبل جنگلات ہوتے تھے اور درخت ہوتے تھے جو بہت حد تک قدرتی آفات سے بچاؤ کا باعث بنتے تھے۔ خوب صورتی و سکون و تازگی بھری ہوا کے علاوہ۔“

”میرا نہیں خیال کہ درختوں کے بغیر زندگی باقی رہ سکتی ہے۔ پھر بھی تم نے یہ بہت اچھی بات بتائی میں کل ہی سے اسے کانٹے سے ایک نئی مہم کا آغاز کروں گا ”درخت اٹکاؤ زندگی بچاؤ“ کے عنوان سے گلی گلی محلہ محلہ سڑک سڑک لوگوں کو پیغام پہنچائیں گے۔“ چھوٹی پھوپھو کے بیٹے میر نے جو خاصا محبت و وطن تھا نے فوراً عزم ظاہر کیا تھا۔

”احسن بھائی! وہاں جنگل میں کیا شیر چیتا ہاتھی وغیرہ بھی ہوتے ہیں؟“ عمیرہ جو بڑے غور سے اس سے وہاں کی باتیں کرتے سن رہی تھی استفسار کر رہی تھی اور احسن کے جواب دینے سے قبل ہی احسن نے زوردار قہقہہ لگایا تھا۔

”یہ تمہارے پیٹ میں کیوں مل پڑا؟“ وہ دانستہ شوخی سے بولتا

خاموش ہوا۔

”کیا سوچ رہے ہو فوراً بولو تمہیں بھی کیا ہی دی والوں کی طرح بریکس کی عادت پڑ گئی ہے۔“ سمیرا منہ بنا کر بولی۔

”عالی جاہ! جان کی امان پاؤں تو عرض کر دیں؟“ وہ شرارتی نظروں سے احسن کی جانب دیکھتا ہوا گویا ہوا۔

”امان دی۔“ احسن کا شاہانہ انداز اس کی ہی مرضی کا تھا۔

”میں یہ سوچ رہا ہوں کہ..... کہ..... کہ عمیرہ آپ کو احسن بھائی کہتی ہیں تو کیا آپ کے بچے آپ کو ”ماموں“ پکاریں گے؟“ اپنی بات مکمل کر کے احمد برق رفتاری سے وہاں سے چلا گیا تھا چند لمحوں میں عمیرہ سمیرا منیرہ ایک دوسرے کی جانب دیکھتے رہے کہ کبھی نہیں تھے جبکہ احسن مسکراہٹ ہنٹوں تلے دیائے مسکرائی نظروں سے عمیرہ کی جانب دیکھ رہا تھا۔ بات اُن کی سمجھ میں آگئی تھی۔

”ہر..... کب سے یہ چکر چل رہا ہے چپکے چپکے؟“ سمیرا اور منیرہ نے ایک دم ہی شور مچا ڈالا تھا۔ عمیرہ نے غصے سے احسن کی جانب دیکھا اور اس کی والہانہ نظروں کے جواب میں پاؤں پٹختی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

”ارے بھئی چکر چلا کہاں ہے۔“ ابھی چلانے کی کوشش کر رہا ہوں مگر اس احمد نے سب الٹ کر دیا کم بخت کہیں کا۔ دس روٹیاں ہضم کر سکتا ہے لیکن دو باتیں اس کا ہاضمہ خراب کر ڈالتی ہیں۔ نہ معلوم یہ عورتوں والی خصوصیت کہاں سے آئی ہے اس میں..... عمیرہ عمیرہ میری بات سنو۔“ وہ اُن کو جواب دیتا ہوا عمیرہ کے پیچھے بھاگتا تھا اور اُن کے پیچھے وہ دونوں۔

اس دن وہ سب گھانے کے بعد جمع تھے موضوع احسن کی طرف سے دی جانے والی پارٹی تھی جو وہ اُن کی شادی کی خوشی میں دے رہا تھا۔ اس تیز رفتار وقت میں بھی کبھی ہونے والی ایسی ہی پارٹیز میں تمام رشتے داروں کو مل بیٹھنے کا موقع ملا کرتا تھا سو اس پارٹی کے انتظار میں

سب ہی تھے مگر احد کے انکار نے سب کو بددل کر دیا تھا۔

”کیوں انکار کر رہے ہو احد؟ میں نے مکمل تیاریاں کر لی ہیں میں انکار نہیں سنوں گا۔“ احسن نے سنا تو وہ بھاگا چلا آیا۔

”میں آج کل بے حد مصروف ہوں۔ نئی ٹیکسٹری کا کام لاسٹ اسچ پر ہے اسی ماہ کے آخر تک اس کی اوپننگ کرنی ہے۔ کام بہت تیزی سے ہو رہا ہے اس مصروفیات کے باعث میں گھر میں بھی بالکل ناگم نہیں رہے پارہا ہوں۔ پھر کوئی پارٹی اٹینڈ کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“ احسن کے انداز میں جس قدر خلوص و اپنائیت تھی احد کا رویہ اس قدر ہی سیاہ و بے تاثر تھا۔

”چند گھنٹے نکال سکتے ہو یا تم میں تمہاری شادی اٹینڈ نہ کر سکا تھا اب سوچا تھا خوشیاں مناؤں گا لیکن تم.....“

”میں نے کہا نا نا تم نہ دے پاؤں گا سو دی۔“ وہ ان سنی کرتا ہوا اپنے روم کی جانب بڑھ گیا اور احسن نے اس انداز میں شانے اُچکائے تھے جیسے اس کا طرز عمل سمجھ سے باہر ہو۔

”بیٹا! تمہارے پاس تو وقت نہیں ہے اور شاید نہ ہی خلوص مروت و لحاظ لیکن ہم ابھی ان جذبوں سے عاری نہیں ہوئے ہیں۔ بڑوں کا ادب چھوٹوں کا لحاظ ہم عمروں سے محبت زندہ ہے اور انہی صفات کی باعث ہماری عزت و اہمیت قائم ہے لیکن تم نے جو یہ وتیرہ اپنایا ہے یہ تمہیں کہیں کا نہیں رکھے گا۔“ وہ آفس جانے کے لیے نکل ہی رہا تھا کہ ممانے سنجیدگی سے کہا تھا۔

”اوہ ماما! کیا ہوا؟ کیا کیا میں نے؟ آپ ناراض ہیں؟“ وہ پریشان سا گویا ہوا۔

”شائش ہے بھئی تمہاری بے خبری کو..... احسن نے پارٹی میں تمہیں بلانے کے لیے کیا کچھ نہ کیا تم نے اسے اپنے باپ اور چچاؤں کو سب کو انکار کر دیا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم میں اتنی بے مروتی کہاں سے آگئی؟ پہلے تو تم ایسے نہ تھے۔“

”ماما! مجھے بالکل فرصت نہیں ہے۔“ اس نے

بریف کیسے نیچے رکھ کر ماں کے شانوں پر بازو رکھ کر لاڈ سے کہا تو انہوں نے ایک نگاہ اس پر ڈالی تھی۔ لائٹ گرے پینٹ کوٹ میں اس کی شخصیت شان دار لگ رہی تھی۔ سرخ و سپید و جیہہ چہرے پر نرمی مسکراہٹ اس کی وجاہت میں اضافہ کر رہی تھی۔ بظاہر تو وہ بہت خوش و خرم لگ رہا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں ضرور کوئی ایسی بات تھی جو ان کی متنا کو بے چین کر گئی تھی۔ آئی تو وہ اس کی خبر لینے کے ارادے سے تھیں مگر اس وقت ایک عرصے بعد انہوں نے اسے نزدیک سے دیکھا تھا اور ان کے اندر ایک اضطراب پھیل گیا۔ گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا پہلے جیسی شادابی و سکون اس کی ذات سے مٹ گیا ہے۔ عجب مٹ چکا اس دل گرفتہ سا ہو گیا ہے۔ پہلے وہ مسکراتا تو اس کی آنکھیں بھی اس کی مسکراہٹ کا ساتھ دیتی تھیں مگر آج اس کی آنکھیں پڑ سوزنہ کناس تھیں اور مسکراہٹ بھی مصنوعی تھی۔ اسارٹ تو وہ بچپن سے تھا مگر اس وقت کم زور اور لاغر دکھائی دے رہا تھا۔

”کیا ہو گیا ہے میرے بیٹے تمہیں؟ تم ہم سب سے غافل ہوئے تو ہوئے لیکن اس سے بھی لا پرواہ بے نیاز رہنے لگے جس کو بڑے اربانوں و چاہتوں سے اپنی زندگی کی شریک بنا کر لائے تھے..... کیا تم خوش نہیں ہو؟“ بھی سوال دروازے کے پیچھے کھڑی مسکان کے دل سے بھی ابھر اٹھا۔ وہ خاموشی سے ان کی گفتگو سن رہی تھی۔

”خوشی و غم کا سوال نہیں ہے ماما میرے پاس نا تم نہیں ہے برنس کی وجہ سے۔“ اس نے ان کے شانوں سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے گول مول جواب دیا۔

”ماتنی ہوں زندگی کے تقاضے پورے کرنے کے لیے کاروبار لازمی ہے پر بیٹے جہاں رشتوں کے تقاضے آتے ہیں وہاں بڑی سے بڑی شے کی بھی اہمیت صفر ہو جاتی ہے۔ رشتے کاروبار پر غالب آ سکتے ہیں کاروبار رشتوں پر نہیں۔ ہر شے کا اپنی جگہ ایک مقام ایک رتبہ ہوتا ہے اور وہی یہاں کامیاب ہوتا ہے جو ہر ایک کے مقام و رتبے کو مقدم رکھتا ہو۔“

مڑے سے میرے حقوق غضب کرتا جائے۔
”احد! آپ ہوش میں تو ہیں آپ کو معلوم ہے کیا کہہ رہے ہیں؟“

”ہاں ہاں ہوش میں اب آیا ہوں لیکن کسی سے زیادہ میں اپنے دل سے مجبور ہوں کہ چاہنے کے باوجود تمہیں خود سے جدا نہیں کر سکتا اور تمہیں آخری وارننگ دے رہا ہوں باز آ جاؤ اپنی حرکتوں سے شریف عورتوں کی طرح زندگی گزارنا سیکھو اب میری بیوی ہوا اور میری بن کر رہو۔ بھول جاؤ کہ پہلے کسی کی محبوبہ تھیں۔“ خاموش رہنے والی زبان زخم پر زخم لگا رہی تھی وہ ششدر کھڑی اسے دیکھ رہی تھی اس کے وجود سے جیسے کسی نے روح کھینچ ڈالی تھی۔ احد کے لبوں سے نکلا غلط فہمی و بد اعتمادی کا زہر اس کی سماعتوں سے اتر کر شریانوں میں پھیلنے لگا۔ اذیت سے اس کا روم روم جلنے لگا۔ احد کے لفظ نہیں خار تھے جو اس کی روح تک میں پیوست ہو گئے تھے۔ اس کا سرخ چہرہ لہو رنگ آنکھیں اس کی حالت اس وقت کچھ ایسی ہی ہو رہی تھی کہ مارے ہم کہ کچھ نہ بول پائی۔ اپنی صفائی میں ایک لفظ منہ سے نہ نکل سکا تھا۔

وہ چاہ رہی تھی کہ اس سے کہے وہ جو سوچ رہا ہے سمجھ رہا ہے بالکل غلط ہے بے بنیاد ہے۔ وہ اور احسن تو صرف دوست ہیں اگر ایسی بات ہوتی تو وہ کبھی بھی اس کا پروپوزل قبول نہ کرتی اس سے اتنی شدید محبت نہ کرتی کہ اس کی تمام جفاؤں کے باوجود ابھی بھی صرف اور صرف اس کی بن کر رہنا چاہتی تھی وہی تو اس کی زندگی میں آنے والا پہلا اور آخری مرد تھا لیکن اسے کس طرح کہتی وہ جس حالت میں تھا کہاں اس کی وفاؤں پر اعتبار کرتا۔ وہ اس پر یقین رکھتا ہی نہیں تھا ورنہ اس طرح اس کے کردار کی وجہیں نہ سمجھ پاتا۔ وہ ان لمحوں میں خود کو بے یاری طرح گھائل محسوس کر رہی تھی۔

جس شخص کو اس نے روح کی گہرائیوں سے چاہا تھا وہی بے اعتبار نکلا تھا اس کے رویوں جذبول اور محسوسات کو جان نہ پایا تھا۔ خود نہ جانے اس بد اعتمادی کی

آگ میں کب سے جل رہا تھا اور اسے میں الا بھی گرا چکا تھا اس کی اذیت انتہاؤں کو چھونے لگی۔ رگ رگ چھٹنے لگی۔ اندر ٹھن بڑھنے لگی تو آنسوؤں کی صورت آنکھوں سے بہنے لگی۔ وہ بیڈ پر بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ”مت بہاؤ یہ مصنوعی آنسو مجھ پر ان کا اثر ہونے والا نہیں ہے اور کان کھول کر سن لو آج کے بعد اس سے ملنا تو دور کبھی نام بھی لیا تو اپنا انجام سوچ لیتا۔“ وہ غصے میں کہہ کر کانٹیں تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔

دوسرے دن وہ آفس سے آیا تھا کہ لان میں کھنے درختوں کی آڑ میں اسے گلابی آنچل لہراتا ہوا نظر آیا۔ پہلے تو وہ ٹھٹھک کر رک گیا پھر ایک دم ہی کوئی خیال بھی کی مانند کوئٹہ تھا۔ وہ دبے قدموں سے اس جانب بڑھ گیا تھا اور اس کے خیال کی تصدیق ہو گئی تھی وہاں احسن اور مسکان ہی بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

وہ اس کے منہ کرنے کے باوجود اسے ملے بغیر رہ نہ سکی تھی اور اس کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھا کر اپنی خواہشوں کو سیراب کرنے چلی آئی تھی۔ وہ خود سے تھا ہو گیا ناحق اس ہر جانی بے وفا کی خاطر کل رات سے اب تک فکر مند و غم زدہ تھا کہ جذبات میں نہ معلوم کیا کیا اسے کہہ گیا تھا جب اترا تو ندامت محسوس ہونے لگی تھی اور اس وقت وہ آفس سے جلد لوٹ آیا تھا کہ اسے منکر قرار حاصل ہوگا ورنہ وہ بھی بے سکون رہے گا۔

یہاں سب دیکھ کر اسے اپنی شرمندگی پر ندامت ہونے لگی تھی اپنا ایک ایک لفظ بالکل مناسب لگا تھا۔ وہ اسی قابل تھی بلکہ اس سے کہیں زیادہ کی حق دار۔ وہ ایک جنوں میں آگے بڑھا تھا کہ نسوانی آواز نے اس کے قدم جکڑ لیے تھے سماعتوں میں دھماکے ہونے لگے تھے۔

”میں اور مناجی آج کل احد بھائی اور بھائی میں کافی کھینچاؤ محسوس کر رہے ہیں اور بتانے سے نہ بھانجی بتانی ہیں اور نہ بھائی۔ آج تو بھائی ناشتہ کیے بنائی گھر سے چلے گئے ہیں اور بھانجی نے مہما کے اصرار پر صرف ایک کپ چائے پی ہے بخار الگ بہت ہو رہا ہے ان کو۔“ یہ آواز

عمیرہ کی تھی اس کی بہن کی جس کو وہ مسکان سمجھ رہا تھا۔

میں بھی اسے بہت بدلا بدلا محسوس کر رہا ہوں۔ پہلے ہر وقت میری پرچھائیں بنی رہتی تھی مگر اب دیکھ رہا ہوں وہ میری پرچھائی سے بھی گریزاں ہے۔ مجھے دور سے دیکھ کر ہی راستہ بدل لیتی ہے وہ مجھے بے حد عزیز ہے اس سے میرے ایک نہیں کئی رشتے ہیں۔ کزن بہن اور سب سے بڑا رشتہ دوستی کا ہے جو سب رشتوں سے بڑا اور خوب صورت ہے اور تمہیں معلوم ہے مجھے تمہاری جانب راغب بھی اسی نے کیا ہے اور میں جانتا ہوں اس کی پسند اعلیٰ ہوتی ہے۔ معاملہ تھا احد کو راضی کرنے کا تو آج کل میں اس سلسلے میں اس کی جان کھارہا تھا کہ وہ کسی طرح سے بھی اپنے شوہر نام دار کو راضی کرے اور ابھی یہ معاملہ سلجھا بھی نہیں تھا کہ اس نے مجھ سے کنارہ کشی اختیار کر لی احد کی تو بھینچ رہی سب سے الگ تھلک اپنی دنیا میں مگن رہنے کی ہے۔ مگر وہ ایسی کیوں ہو گئی؟ سب سے بڑا مسئلہ ہے میری بات کون کرے گا۔ میں جانے سے پہلے چاہتا ہوں تمہیں اپنے نام منسوب کر جاؤں۔ احسن کے لہجے میں صداقت تھی مسکان کے لیے فکر مند بوجھ ایسا ہی تھا جیسے اس کا عمیرہ کے لیے ہوتا تھا۔ اس کا لہجہ سدا سے ایسا تھا شاید اس کے دل سے شک و بدظنی کی نئی اتری تو اس نے محسوس کیا تھا۔ یکنخت ہی سکون اس کی رگوں میں سرایت کرنے لگا کوئی بار گریاں تھا جس سے وہ خود کو آزاد محسوس کر رہا تھا گہری دھندھی جو چھٹ گئی تھی بدگمانیوں کے سیاہیاد دل چھٹ گئے دل کا اتنی شفاف تھا فضا نکھری نکھری تھی۔ ایک عرصے تک وہ شدید غلط فہمی کے گرداب میں رہا تھا جس میں پھنس کر ان خوب صورت دنوں کے بے شمار پل وہ ضائع کر چکا تھا جن کا احساس اسے اب ہوا تھا۔ اسے رلایا تھا تو تڑپا خود بھی کم نہیں تھا۔ جتنے دکھ اسے دیئے تھے اتنا درد خود بھی لیا تھا اس کی آنکھوں سے آنسو برستے تھے تو دل اس کا بھی خون کے آنسو رہتا تھا۔ ایک ایک کر کے اپنی تمام بے وقوفیاں یاد آنے لگیں تو شرمندگی کے ساتھ ساتھ اپنے پاگل پن پر بھی آنی کی محبت کا

جذبہ ہوتا ہی ایسا انتہا پسند و خود سر ہے کہ جب قلب کو مسخر کرتا ہے تو اس کے ساتھ ہی دماغ کو بھی فارغ کر ڈالتا ہے پھر کچھ بوجھ روٹھ جاتی ہے اور محبت کی نذر ہو جاتی ہے۔ کیسا جذبہ ہے محبت جو اچھے بھلے بے ریا و سیدھے انسان کو شکی و حاسد و کھوسر بنا ڈالتی ہے جس چہرے پر اس کی نظر ٹھہر جائے جسے یہ اپنا مان لے پھر کسی اور کی نگاہ اس چہرے پر برداشت نہیں کر سکتی ہر سمت صرف اپنا حصار چاہتی ہے۔

”اب کیا ہوگا میرا؟ جن چٹوں پہ نیک تھا وہی بے ہوا دینے لگے۔ نکتے مان سے مسکان کو اپنا سمجھا تھا وہ بھی ظالم بن گئی الفت ہی نہیں دیتی۔ کروں تو کیا کروں تم ہی مشورہ دو۔“ وہ بالوں میں انگلیاں چلاتا بسور تھا۔

”مجھے کیا معلوم؟ میں ایک مشرقی لڑکی ہوں میرے بڑے جو فیصلہ کریں گے مجھے منظور ہوگا۔“ عمیرہ شانے اچکانی ہوئی کھڑی ہو گئی تھی۔

”یہ مشرقی لڑکیاں بھی بڑی چالاک ہوتی ہیں۔ محبت کر کے فیصلے اپنے بڑوں پر چھوڑ دیتی ہیں اور ہم جیسے لوگ دعا کرتے رہ جاتے ہیں کہ فیصلہ ہمارے حق میں ہو۔“ احسن ڈھائی ذینے الے اشائل میں بول رہا تھا۔ عمیرہ اس سے کچھ فاصلے پر کھڑی تھی۔ احد کا دل اس کی جانب سے صاف ہو چکا تھا وہ مسکراتا ہوا ڈرامائی انداز میں بولا۔

”تمہاری دعا قبول ہوئی فیصلہ تمہارے حق میں ہو گیا ہے۔ اب شریف تو جوان بلکہ طلب گار بن کر اپنے والدین کو ہمارے گھر بھیج دتا کہ باضابطہ کارروائی کی جائے۔“ اچانک اسے سامنے دیکھ کر عمیرہ ششپائی گئی تھی جبکہ احسن کی زبان رک گئی تھی زندگی میں پہلی بار وہ جھینپا تھا۔

”اب مجھے محسوس ہوا جن کی زبان مسلسل چلتی ہے ان کے دماغ بالکل خالی ہوتے ہیں۔ تم اگر پہلے ہی بتاتے تو اتنی تکلیف ہمیں اٹھانی نہیں پڑتی۔“

”میں نے سوچا تھا آپ عشق میں بہت پہنچے ہوئے ہیں یقیناً میرا حال جان جائیں گے مگر کچھ دیر سے آپ کو کشف ہوا لیکن وہ کہتے ہیں نادیرا بد درست آید۔“ اس

کے قبضے میں احمد کا جائزہ قبضہ بھی شامل تھا عمیرہ پہلے ہی وہاں سے چلی گئی تھی۔ وہ کمرے میں آیا تو وہ بال سنبھا رہی تھی۔

”طبیعت کیسی ہے؟“ دل سے غبار صاف ہوا تو لہجہ خود بخود نچوٹوں سے لبریز ہو گیا۔

”مجھے کیا ہوا؟“ اس کا دھما انداز روٹھا روٹھا تھا وہ محسوس کر کے مسکرا دیا۔

”عمیرہ بتا رہی تھی ٹیڑھ پر ہورہا ہے۔“ وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے ہاتھ پکڑ کر گویا ہوا۔ اس نے ہاتھ چھڑانے کی مھر پور سی کی لیکن ناکام رہی تھی۔

”ہاتھ چھوڑیں۔“

”چھوڑنے کے لیے نہیں پکڑا تھا۔“

”اب آپ کی ایسی باتیں مجھے بہلا نہیں سکتی“ آپ کے دل میں جو ہے میں جان چکی ہوں۔ آپ کے گمراہ خیالات دبے ہوئے سوچوں نے مجھے میری نظروں سے ہی گمراہ کیا ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آپ کی نظروں میں میری یہ عزت ہے اور..... اور احسن کو آپ ایسا سمجھتے ہیں۔ بہت پست خیالات ہیں آپ کے جنہوں نے مجھے عورت سے گالی بنا دیا ہے۔ بہت مضبوط کے باوجود آنسوؤں پر اختیار نہ رہا تھا۔

”ایسا نہ کہو مجھے احساس ہے آج سے قبل میں اندھیروں کا باسی تھا۔ بہت دکھ دیئے ہیں تمہیں اور خوشیاں خود پر بھی حرام کر لیں۔“ احمد نے اسے ہانپوں کے حصار میں لیتے ہوئے ندامت بھرے لہجے میں کہا۔

”یہ میری محبتوں و چاہتوں کی شدتیں ہی تو ہیں جنہوں نے مجھے جیسے انسان کو بھی احمق و کم ظرف بنا ڈالا نہ معلوم اس میں میری اندھی محبت کا قصور ہے یا معاشرے میں پھیلے کثافت بھرے ماحول کا جہاں اعلیٰ اخلاقی رشتوں کا تشخص بالکل دب کر رہ گیا ہے۔ جہاں لڑکے اور لڑکی کی دوستی کو محض تھڑکلاں روماس سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بہن بھائی کی معتر و پر تقدس محبت کا احساس مٹ گیا ہے یہ جذبے صرف سکے رشتوں میں پنہاں ہو گئے ہیں رہا تھا۔

اور یہی غلطی مجھ سے ہوئی تمہاری اور احسن کی اندر اسٹینڈنگ کو میں کچھ اور ہی سمجھتا رہا اور ایک عذاب میں خود بھی جتلا رہا اور تمہیں بھی رکھا۔ واقعی شک و بد اعتمادی وہ قیمتی ہے جو رشتوں کو دھجی دھجی کاٹ دیتی ہے جو بھی جڑ نہیں سکے۔ شکر ہے میں نے آج احسن اور عمیرہ کی باتیں سن لیں اور مجھے اپنی غلط فہمیوں کا احساس ہو گیا۔“

”کیا آپ نے انہیں میرا مطلب ہے آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہے ان کی شادی پر؟“ وہ اس کی بات سن کر ایک دم ہند جوش لہجے میں گویا ہوئی۔

”ایک شرط پر۔“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا سنجیدگی سے گویا ہوا۔

”شرط..... وہ کیا؟“ وہ پریشان لہجے میں گویا ہوئی۔

”تم اگر میری تمام نادانیوں کو معاف کر دو تو۔“ اس کے لہجے میں جی ندامت تھی۔

”بھلا میری اوقات ہی کیا ہے اور عورت کی وہی ہوئی ہی کیا ہے مرد کی نگاہوں میں جب دل چاہا شک و بے اعتباری کی چھری سے گھاٹل کرتے رہے دم پر زخم لگاتے رہے اور دل میں پائی تو سب کچھ ستم توڑ کر مظلوم بن گئے۔ اس بات سے قطعی بے پروا کہ عورت ہر ظلم ہر ستم ہر زیادتی برداشت کر لیتی ہے مگر اپنی ذات پر بد چلنی کا الزام کسی صورت برداشت نہیں کر سکتی اور مرد کے دل میں اگر ایک بار شک و بے اعتمادی کا پودا اگ جائے تو اس کی جڑیں تاحیات جی رہتی ہیں۔ پھر ابھی تو میں اس سے چھٹی بچتی پھر رہی ہوں لیکن جب اس سے اتنا قریبی رشتہ عمیرہ کی وجہ سے بندھ جائے گا تو میں کس طرح چھپ سکوں گی؟ پھر احسن کی عادات مزاج شوخیاں شرارتیں نہیں بدل سکتیں ادب آپ پھر.....“

”جو دوسروں کو دکھ دیتے ہیں سکون سے وہ خود بھی نہیں رہ پاتے۔ میرے ساتھ بھی یہی ہوا تھا..... سوری یا راسکی سوری میں..... تا دم ہوں لفظوں میں اظہار نہیں ہو سکتا جو کچھ بھی ہوا سب بھول جاؤ۔“ وہ جھجکتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”ہاں ہاں بھول جانا سب اتنا آسان ہی تو ہے نا؟“

میرے جذبوں کی یہ قدر کی ہے آپ نے محبتوں کا یہ صلہ دیا ہے؟ یہ میری ہی کم عقلی و بے وقوفی تھی جو سائپرس جانے کے بجائے اس خوش فہمی و خوش گمانی میں جتلا آپ کی زندگی میں چلی آئی کہ آپ مجھ سے بے انتہا پیار کرتے ہیں جو جھٹ پٹ شادی کرنے کو بے قرار ہو گئے ہیں۔ لیکن نہیں وہ نری میری بے وقوفی تھی۔ آپ کو میری کیا ضرورت کیا پروا ایک چھوڑ لاکھوں مل جائیں گی لڑکیوں کی تو ویسے بھی بہتات ہے۔“ وہ روٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

”تو جو نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے یہ مانا کہ محفل جواں ہے حسیں ہے.....“

اس نے ٹنگتاتے ہوئے اسے خود سے قریب کیا پھر شوخی سے گویا ہوا۔

”میرے جذبوں کی شدتوں نے تمہیں سائپرس جانے سے روکا تھا۔ میری محبت کی طاقت تمہیں باور کرا دے گی کہ میری پہلی و آخری آرزو صرف تم ہو چلاؤ آج سے قبل جو ہمارے درمیان فاصلے آئے انہیں بھول جاؤ۔“ اس نے بہت چاہت سے اس کے آنسو سینے تھے۔

”صبح کا بھولا اگر شام کو گھر آئے تو مسکرا کر اس کا استقبال کرنا چاہئے۔“

”اگر میری جگہ آپ ہوتے اور میرا رویا آپ کی طرح ہوتا تو بعد میں آپ کا رویہ کیا ہوتا؟ کیا آپ مجھے اتنی آسانی سے معاف کر دیتے؟“ پورے دو ماہ اس کے ہاتھوں اذیت اٹھائی تھی بھلا کس طرح اتنی آسانی سے دوستی کر لیتی۔

”اب محض تم وقت ضائع کر رہی ہو لیکن پھر بھی آج کے بعد ہمارے درمیان یہ ٹاپک نہیں آئے گا۔ اس لیے میں تمہاری تسلی کے لیے بتا دیتا ہوں کہ حقیقت حقیقت ہوتی ہے۔ سچ بھی چھپ نہیں سکتا اپنا آپ منوا کر رہتا ہے۔ تمام حقیقت میرے سامنے آتی تو یقیناً میں کھلے دل

سے تمہیں معاف کر دیتا کہ غلطی ہر ایک سے ہوتی ہے اور بہت فراخ دل و روشن ضمیر ہوتے ہیں وہ لوگ جو اپنی غلطی کی معافی مانگ لیتے ہیں اور دوسرا فریق اس سے بھی زیادہ بلند خیال کا شیوہ دیتا ہے معاف کر کے۔“ وہ از حد سنجیدہ ہو گیا تھا۔

”اوکے میں اس بار آپ کو معاف کر رہی ہوں لیکن یاد رکھیں آئندہ آپ نے ایسی کوئی بات کی تو آپ کی اور اپنی جان ایک کر دوں گی۔“ اس کا لہجہ اٹل تھا۔

”اوکے مائی لارڈ! بندہ اب کبھی خیال و خواب میں بھی ایسی حرکت نہیں کر سکتا۔ اب ہم صرف محبت کی فصل اگائیں گے چاہت کا شت کریں گے اعتماد کے بیج بوئیں گے وفا کے پھول کھلائیں گے خلوص کی کھادے۔“ احمد نے اسے بازوؤں میں لیتے ہوئے سرشار لہجے میں کہا اور اسی دم دروازہ زور سے ٹاک ہوا تھا وہ بولھا کر اس کے بازوؤں سے نکلی تھی۔

”میں نے ڈسٹرب تو نہیں کیا؟“ احمد نے اندر آتے ہوئے کہا۔

”مجھے لگتا ہے آپ پیدا ہی ڈسٹرب کرنے کے لیے ہوئے ہیں۔ بہر حال بتائیے کیا خبر ہے تازہ ترین جس کے باعث آپ کے پیٹ میں مردہ اٹھی ہے۔“ احمد شوخی سے مخاطب ہوا۔

”میں یہ بتانے آیا تھا۔ ائی ابو احسن بھائی کا پروپوزل عمیرہ کے لیے لانے والے ہیں۔ میں نے سوچا سب سے پہلے یہ خبر آپ تک میں ہی پہنچاؤں لیکن ایک ریکویسٹ ہے آپ سے کہ.....“

”یہ بات ابھی کسی کو بتائیے گامت۔“ مسکان نے جلدی سے اس کا جملہ پورا کیا اور تینوں کا مشترکہ قبضہ کمرے میں گونج اٹھا۔

